ماہنامہ

بہاول نگر

سرائے اُردو

جولائی 2022ء

اَللّٰہُ اَکْبَرْ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرْ
اَللّٰہُ اَکْبَرْ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

عید الاضحی مبارک

فہرست

حمد	انتخاب: عمار حسین	3
نعت	انتخاب: فاکہہ قمر	3
عید کے رنگ	سائرہ قریشی	4
حاجی کے دلائل	مبشر عزیز	6
اللہ کا انعام	حمیرا علیم	8
خواہشات کی اسیر	صدف جاوید	12
خوابوں کی شہزادی-باصلاحیت لکھاری: علیشہ چوہدری	تحریر و ملاقات: فاکہہ قمر	14
نئے کپڑے	عرفان حیدر	19
کھائیں کے کیا؟	مریم شہزاد	21
مہنگائی سے انٹرویو	دانیال حسن چغتائی	24
عیدِ قرباں کی فضیلت	ارسلان اللہ خان	24
کاٹو میاں اور کالا بیل	ہانیہ ارمیا	26
عظیم قربانی	ذوالفقار علی بخاری	28
عید الاضحیٰ	دانیال حسن چغتائی	31
وادیٔ کاغان کی سیر	عمر فاروق عارفی	34
بڑی عید کا واقعہ	افشین نسیم۔ کراچی	38
قربانی	طاہر خان نوشکی۔ بلوچستان	42
خوبصورت قول	امن ارشد۔ سیالکوٹ	43
لوگ کیا کہیں گے	عاطف کھرل	44
گرم سموسہ	محمد رمضان شاکر۔ پاکپتن	46

درود شریف
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
صحیح مسلم: 621
ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے

اداریہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے ادبی میدان میں قدم رکھے کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ یہی کوئی پونے تین برس کا یہ قصہ ہے۔ کسی بھی رسالے کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالنا، ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔ کہتے ہیں کہ مدیر کی کرسی، کانٹوں سے بھری سیج ہوتی ہے کہ سب کی توقعات کو پورا کرنا خاصا محنت طلب کام ہوتا ہے۔ محترم ذوالفقار علی بخاری صاحب نے جب مجھ سے رابطہ کیا اور سرائے اردو میگزین کے لیے بطور مدیر اعلیٰ منتخب کرنے کا بتایا تو سب سے پہلے مجھے مندرجہ بالا کہاوت یاد آگئی۔ بخاری صاحب کے حکم پر یہ مسند سنبھال لی۔ خیر اب یہ ذمہ داری میرے نازک کندھوں پر آن پڑی ہے تو اسے احسن طریقے سے نبھانے کی کوشش بھی کروں گا۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ جیسے مجھ سے پہلے مدیر نے رسالے کا معیار برقرار رکھا، اللہ مجھے بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت دے اور رسالے کا معیار مزید بہتر بنانے کا سبب بنائے، آمین! ”عید الاضحی“ کا خاص نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے میں اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ تو آپ کی آراء سے ہی ہو گا۔ اگلے شمارے تک کے لئے اجازت دیجئے۔

اللہ نگہبان!

دانیال حسن چغتائی (مدیر اعلی: سرائے اردو میگزین، بہاول نگر)

منتظمِ اعلیٰ: ذوالفقار علی بخاری
مدیرِ اعلیٰ: دانیال حسن چغتائی
مدیر: بہرام علی وٹو
معاون مدیرہ: فاکہہ قمر
ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ: محمد طیب صدیقی

حمدِ باری تعالیٰ

انتخاب: عمار حسین

آتا ہے سکوں دل کو میسر ترے گھر میں
سب اعلیٰ و ادنیٰ ہیں برابر ترے گھر میں

رہتی نہیں غربت کی شکایت اسے ہرگز
ہو جاتا ہے جو آباد، جو بے گھر، ترے گھر میں

لیتے ہیں اسے تھام وہیں بڑھ کے فرشتے
کھاتا ہے جو معمولی سی ٹھوکر ترے گھر میں

رکھتے ہیں جو پہچان بقا اور فنا کی
چمکاتے ہیں وہ آ کے مقدر ترے گھر میں

کچھ دیر تو شیطان کی چالوں سے بچیں گے
یہ سوچ کے آ جاتے ہیں اکثر ترے گھر میں

صدیوں سے اسے چومنے آتا ہے زمانہ
ہے قابلِ صد رشک جو پتھر ترے گھر میں

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

انتخاب: فاکہہ قمر

سب سے بڑے انسان ہمارے پاک نبی ﷺ
تشریح قرآن ہمارے پاک نبی ﷺ
سارے نبیوں میں وہ سب سے افضل ہیں
کتنے عظیم الشان ہمارے پاک نبی ﷺ
ان کے سچ کو دشمن بھی تسلیم کریں
سچ کی ہیں پہچان ہمارے پاک نبی ﷺ
وہ ہیں یتیموں اور غریبوں کے والی
خلق خدا کی جان ہمارے پاک نبی ﷺ
سب سے محبت کرنا ان کا شیوہ ہے
نفرت سے انجان ہمارے پاک نبی ﷺ
ان کی راہ پر چلنے سے بگڑے کام سنوریں سب کے
ایسے حکمت دان ہمارے پاک نبی ﷺ

عید کے رنگ

سائرہ قریشی

صبح سات بجے کا وقت تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی۔ "اوہ اتنی دیر ہو گئی، آج تو میری فجر بھی قضا ہو گئی"۔ وہ دل میں نماز ادا نہ کرنے کا دکھ محسوس کرتے ہوئے واش روم میں چلی گئی۔ وہ واش روم سے واپس آئی تو ریان اٹھ گیا تھا۔ "مما" وہ اس کو دیکھتے ساتھ ہی اسکی طرف بڑھا۔ "مما جی"۔ ریان اسکا سات سال کا چھوٹا سا بیٹا تھا۔ ابھی صائم کے اٹھنے میں وقت تھا۔ وہ ریان کو واش روم میں چھوڑ کر خود کچن میں آ گئی۔ آجکل صائم کا ہاتھ ذرا تنگ سا تھا۔ وہ بھی کچھ پریشان تھی۔ دوسری طرف ریان نے بکرا لانے کی ضد لگا رکھی تھی۔ پہلے وہ آرام سے عید کے لیے بکرا منڈی سے بکرا خرید کر مہینہ بھر پہلے ہی گھر میں لے آتے تھے، اب تو مہنگائی اس قدر ہو گئی تھی کہ عام آدمی کے تو بس کی بات نہیں رہی تھی کہ وہ سنت ابراہیمی کو ادا کر سکے۔ ریان محلہ میں جاتا اور بھائی قاسم کے گھر سے جب بھی آتا تو یہی کہتا کہ "مما ہم اپنا بکرا عید کے لیے کب لائیں گے؟" "بیٹا اس بار ہم بکرا نہیں خرید سکتے" اس کے پاپا نہ چاہتے ہوئے بھی یہ کہہ اٹھتے۔ "کیوں پاپا" ننھے ریان کا دل یکدم سے مرجھا گیا تھا اور اسکی پیاری سی خوبصورت آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ صائم کا دل بھی رنجیدہ سا ہو گیا تھا۔ اس نے بیٹے کی فرمائش پوری کرنے کا سوچا، اور کل صبح ہی بکرا منڈی کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ریان کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ آج ریان چپ چاپ سا تھا۔ آج نا ہی اس نے کوئی شرارت کی اور نا ہی اپنے دوستوں کے ساتھ باہر گیا کیونکہ سب کے پاپا ان کے لیے پیارے پیارے سے خوبصورت بکرے لے آئے تھے۔ اسکے سب دوست اپنے بکروں کے ساتھ سیلفی لے کر فیس بک پر لگا رہے تھے اور عید کی خوشیاں اپنے بکروں کے سنگ منا رہے تھے اور ریان کو تنگ کر رہے تھے۔ "دیکھو اس بار ہم نے بکرا پہلے لے لیا ہے" صبح جب ریان کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت موٹا تازہ بکرا صحن میں باندھا ہوا تھا۔ ریان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی۔ اور وہ بھاگتا ہوا صحن میں آیا۔ "مما، پاپا، جلدی سے آئیں"۔ "دیکھو میرا پیارا

بکرا آیا ہے" ریان سے خوشی سے چہکتا پھر رہا تھا۔ اسے بکرے کی گول گول موٹی آنکھیں بہت پسند آئی تھی۔ وہ بھی ریان کو اسطرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کو بھی ریان بہت پسند آیا ہو۔ وہ جلدی سے بھاگ کر اپنے تمام دوستوں کو بلا کر لے آیا تھا۔ اسکا بکرا اس کے سارے دوستوں کے بکروں سے خوبصورت تھا۔ ریان نے اللہ کا شکر ادا کیا کیونکہ اس نے اللہ سے دعا کی تھی کہ بکرے کے سنگ عید کے رنگ منائے اور اس کی دعا قبول ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆

بڑا بچت پیکج

معروف ادیب نذیر انبالوی، ذوالفقار علی بخاری، فاکہ قمر اور مریم شہزاد کی خوب صورت کہانیاں گھر بیٹھے حاصل کیجئے۔

قیمت 250 روپے بمعہ ڈاک خرچ

گھر کا پتہ اور رقم اس نمبر 03425088675 پر ارسال کریں۔

حاجی کے دلائل

مبشر عزیز

بڑی عید پر لوگ اپنی حیثیت کے مطابق بکرا یا گائے وغیرہ لیتے ہیں لیکن میرا ارب پتی دوست حاجی مستنگ اپنی حیثیت کے مطابق لازمی ایک گائے اور ایک بکرا لیتا ہے۔ الحمد اللہ گائے کا گوشت تو ہم سب کے حصے میں آتا ہے لیکن بکرے کا گوشت کبھی دیکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھ ہی لیا۔

"حاجی صاحب! گائے کا گوشت تو تقسیم ہوتا ہے لیکن بکرے کا سارا گوشت مدرسے کو جاتا ہے کیا؟"

میری بات سن کر انہوں نے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے میں نے کوئی انہونی کہہ دی ہو۔

کہنے لگا "بکرے کے کتنے حصے ہوتے ہیں؟" "فضیلت اس میں ہے کہ تین حصے ہوں، ایک آپ کا، ایک عزیز واقارب کا اور ایک غربا کا"۔ میں نے عاجزی سے جواب دیا۔ "محلے میں کوئی گھر بچا ہے جہاں گائے کا گوشت نہ گیا ہو؟" سوال آیا۔ "نہیں جناب" میں نے جواب دیا۔

"تو بھائی صاحب! بکرے کا ایک حصہ میرا، دوسرا غرباء کا جو میں اپنی نوکرانی کو دیتا ہوں اور فریج نہ ہونے کے باعث وہ گوشت لے کر بھی نہیں جاتی اور ویسے بھی اکثر دوپہر کا کھانا وہ ہمارے گھر ہی سے کھاتی ہے تو تمہاری بھابھی نے اس سے کہہ رکھا ہے کہ عید کے دنوں میں بھی ادھر سے کھایا کرو بلکہ رات کا کھانا بھی کھا کر جایا کرو (یعنی رات تک کام کروایا جائے)" حاجی صاحب نے فرمایا۔

"پر حاجی صاحب وہ تیسرا حصہ؟" ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "وہ تیسرا حصہ! میرا دور کا رشتہ دار ہے کرامت! اس کو میں سارا تیسرا حصہ دے دیتا ہوں لیکن اس کا "یورک ایسڈ" بڑھا ہوا ہے اس لئے وہ سارا گوشت مجھے تحفتاً دے دیتا کہ حاجی صاحب آپ اس غریب کی طرف سے تحفہ قبول کریں، اب غریب کا دل تو توڑا نہیں جا سکتا نا"

حاجی صاحب نے تھوڑا سا آنکھیں چراتے ہوئے جواب دیا۔ ویسے عید کے دن ہم سب دوستوں کا دوپہر کا کھانا ان

کی ہی طرف ہوتا ہے لیکن ہمیشہ بغیر اے سی والے کمرے کے حبس زدہ ماحول میں پسینہ پسین ہوتے ہوئے اور اکثر ہم قمیض اتار کر بنیان اور شلوار میں کھانا کھاتے ہیں بلکہ ایک دفعہ تو میں سینڈو بنیان اور کچھے (نیکر) میں کھانا کھانے گیا تھا کیونکہ ہم بھی ان کا دل نہیں توڑ سکتے۔ ایک دفعہ ہمت کر کے خلیل کھاؤ پیر نے پوچھ ہی لیا کہ "حاجی صاحب جہاں اتنا خرچہ کر دیا ہے وہاں اگر اے سی والے کمرے میں بٹھا کر کھانا کھلا دیں گے تو اللہ کے فضل و کرم سے ایک گھنٹے میں بل پر اور آپ کے خزانوں پر کوئی زیادہ اثر نہیں پڑے گا۔" "ایک یونٹ سے بل کا ریٹ دس روپے سے بیس پر چلا جاتا ہے اور اس سے اوپر ہر یونٹ کا ذمہ دار یہی ایک یونٹ ہو گا لیکن میں یہ صرف تمہارے فائدے کے لئے ہی کرتا ہوں کیونکہ ٹھنڈے کمرے میں تمہیں آ جائے گی نیند اور پھر کھانا کھانے کا مزا بھی نہیں آئے گا۔" حاجی صاحب نے مدلل جواب دیا۔ امجد کھاؤ پیر نے ماتھے سے ٹپکتے ہوئے پسینے کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے حاجی صاحب کی محبت کو داد دی اور ہم سب کو تیزی سے ختم کرتے ہوئے قورمے کی پرانت کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اللہ کا انعام

حمیرا علیم

عوف صاحب آفس سے تھکے ہارے گھر آئے تو اپنے بچوں دس سالہ ہالہ، آٹھ سالہ انمار اور پانچ سالہ اقصی کو منتظر پایا۔

"السلام علیکم بابا!" سب ان کی طرف لپکے اور سلام کیا۔ ہالہ نے ان کے ہاتھ سے بیگ لے کر کمرے میں رکھا اور انمار نے انہیں ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کیا۔ قصی فوراان کی چپل اٹھالایا۔ عوف صاحب نے پانی پی کر بچوں کو محبت سے دیکھا اور بولے: "جزاک اللہ بیٹا! خیر ہے نا آج آپ سب اس وقت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ قیلولہ نہیں کیا آپ نے؟" "نہیں بابا! ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ہفتے بعد عید ہے نا تو ہمیں پوچھنا تھا کہ ہم بکرا کب لائیں گے؟" قصی نے اشتیاق سے پوچھا تو عوف صاحب ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئے۔ اتنے میں ان کی بیگم سبیعہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوئیں اور بچوں کو حکم دیا: "چلیں آپ سب اپنے کمرے میں جا کر کچھ دیر آرام کر لیں اور بابا کو بھی فریش ہونے دیں۔ شام میں بات کریں گے۔" سب سعادت مندی سے اپنے کمرے میں چلے گئے تو عوف صاحب نے ممنون نظروں سے بیگم کو دیکھ کر کہا: "شکریہ سبیعہ! آپ نے مجھے بچوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیا۔ اتنی مہنگائی ہو گئی ہے میں تو پریشان ہوں کہ عید پہ بچوں کے کپڑے جوتے کیسے لیں گے اور بچے بکرا خریدنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔" "آپ پریشان نہ ہوں اللہ مالک ہے۔ چلیں آپ فریش ہو جائیں میں بچوں کو سمجھا دوں گی۔" لاونج کی طرف آتی ہالہ نے والدین کی باتیں سنیں تو پریشان ہو کر واپس کمرے میں چلی گئی۔ بستر پر لیٹ کر سوچتے سوچتے وہ سو گئی۔ شام کو بچے اٹھے تو امی نے انہیں ہوم ورک میں مصروف کر دیا۔ حسب معمول سب رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے۔ صبح بابا نے آفس جانے سے پہلے انہیں اسکول ڈراپ کیا اور خود آفس چلے گئے۔

اسکول میں اسلامیات کا پریڈ شروع ہوا تو مس عفراء نے سبق پڑھانے کی بجائے قربانی کے موضوع پہ بات کی۔

"آپ سب کو معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت پوری کرتے ہوئے ہم سب عید الاضحیٰ پہ قربانی کرتے ہیں ؟""یس مس!""سب نے بیک زبان جواب دیا تو مس عفراء بولیں:"شاباش! آپ سب تو ماشاءاللہ خاصے سمجھ دار ہیں لیکن کیا کسی کو یہ بھی معلوم ہے کہ قربانی کی اصل روح کیا ہوتی ہے؟"سب نے حیرت سے انہیں دیکھا تو انہوں نے بتایا:"اللہ تعالیٰ کو ہمارے بیل، اونٹ، بکرے وغیرہ کے گوشت کی ضرورت تو نہیں ہے نا بلکہ وہ تو یہ دیکھتے ہیں کہ کون مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے حکم کی تعمیل میں کتنی دلچسپی رکھتا ہے۔ جیسے اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمانے کے لیے انہیں اپنے بیٹے کی قربانی کا کہا تو ابراہیم علیہ السلام نے جھٹ سے اللہ کے حکم کے مطابق بیٹے کو قربان کرنے کی تیاری کر لی۔ اللہ تعالی نے خوش ہو کر اسماعیل علیہ السلام کی جگہ مینڈھا بھیج دیا اور اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا۔"ہالہ کا ہاتھ کھڑا دیکھ کر مس عفراء نے استفسار کیا:"جی ہالہ آپ کو کچھ پوچھنا ہے؟"

"یس مس! اگر کوئی قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو مگر اس کی خواہش ہو کہ وہ بھی عید پہ قربانی کرے تو کیا اللہ تعالی اس کی خواہش پوری کر دیتے ہیں؟"

مس نے ہالہ کے معصومانہ سوال پہ مسکراتے ہوئے جواب دیا:"جی ہاں کیوں نہیں۔ جب بھی ہم اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مانگتے ہیں تو اللہ تعالی ہماری دعا نہ صرف سنتے ہیں بلکہ پوری بھی کرتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ انسان پورے یقین سے دعا کرے کہ اللہ تعالی اس کی خواہش ضرور پوری کریں گے۔"مس یہ کہہ کر دوبارہ قربانی کے بارے میں بات کرنے لگیں مگر ہالہ تو اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ضرور اللہ تعالی سے دعا کرے گی کہ ان کے بابا کی پریشانی دور کر کے انہیں اتنے پیسے دے دیں کہ وہ بھی قربانی کے لیے بکرا لا سکیں۔ اور اس نے ایسا کیا بھی۔ اسکول سے گھر آ کر ہالہ نے ظہر کی نماز ادا کی پھر دو نوافل پڑھے اور سجود میں دعا کی "یا اللہ آپ میرے امی بابا کی مشکلات آسان کر دیں، ان کی پریشانی دور کر دیں اور ہمیں عید کے لیے ایک اچھا سا بکرا بھی دے دیں۔" نفل پڑھ کے بھی اس نے خوب دعا کی۔ اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کہ دعا پوری کریں گے۔

امی جو بچوں کو کھانے کے لیے بلانے آئی تھیں، انہوں نے ہالہ کو نفل پڑھ کے سجدے میں دعا کرتے سنا تو نم آنکھوں کے ساتھ دھیمے سے آمین کہہ کر دل میں دعا کی: "یا اللہ! میری بیٹی کی دعا قبول فرمانا تا کہ اس کا تجھ پہ توکل قائم رہے۔" شام کو سب لوگ لاونج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب بابا کے موبائل پہ کینیڈا سے کعب چچا کی ویڈیو کال آئی۔ بابا نے واٹس ایپ پہ سب کی چچا سے بات کروائی۔ جب سب بات کر چکے تو کعب چچا نے عوف صاحب سے کہا: "بھائی صاحب! میں نے کچھ پیسے بھیجے ہیں یہ میرے بچوں کی عیدی ہے۔ آپ انہیں ان کی پسند کی چیزیں دلوا دیجئے گا۔"" ارے کعب میاں اس کی کیا ضرورت تھی۔" بابا نے کچھ کہنا چاہا پر چچا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا: "یہ میرا اور میرے بچوں کا معاملہ ہے۔ آپ کچھ مت کہیے۔" بابا نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ بچوں نے بھی انہیں شکریہ کہا کچھ دیر بات کرنے کے بعد انہوں نے کال بند کی تو بابا نے بینک کا میسج چیک کیا اور چونک کر بولے: "ارے یہ تو کعب نے بہت زیادہ پیسے بھیج دیئے ہیں۔"

"کیا ہوا آپ پریشان کیوں ہو گئے؟" سبیعہ نے پوچھا تو عوف صاحب نے بتایا کہ کعب نے ستر ہزار روپے بھیجے ہیں۔ سب بچوں نے خوشی سے سوال کیا: "بابا اب تو ہم بکرا خرید سکتے ہیں نا؟" بابا نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو امی نے زیر لب اللہ تعالی کا شکر ادا کیا: "شکر الحمدللہ میرے مالک تو نے میری بیٹی کی دعا سن لی۔ مجھے یقین ہے کہ اب اس کا ایمان مزید پختہ ہو گا۔" اور ساتھ ہی انہوں نے بچوں کو حکم دیا: "چلو سب لوگ جا کر مغرب کی نماز بھی پڑھو اور اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرنے کے لیے دو نفل بھی ادا کرو کیونکہ یہ سب تو اللہ تعالی ہی کا انعام ہے۔" سب جلدی سے کمرے کی طرف بھاگے تا کہ وضو کر سکیں ہالہ کا دل خوشی سے لبریز تھا کہ اللہ تعالٰی نے اس کی دعا اتنی جلدی قبول فرمالی۔ دوسرے دن عوف صاحب ایک اچھا سا بکرا خرید لائے اور ساتھ میں بچوں کے کپڑے جوتے بھی۔ عید والے دن سب گھر والے پہلے نماز عید پڑھنے گئے پھر عوف صاحب نے خود بکرا ذبح کیا۔ قصی اور انمار نے خوشی خوشی سارے ہمسائیوں کے گھر میں گوشت بانٹا۔

خواہشات کی اسیر

صدف جاوید

جیسے جیسے قربانی کے دن قریب آ رہے تھے۔زیب النساء کی فکریں بڑھتی جا رہی تھیں۔وہ بڑی بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں،ایسے میں شمسہ چھوٹی کا رشتہ لے کر آ گئی۔

"زیبو!اچھے خاندانی رشتے نصیب والوں کو ملتے ہیں۔تم سوچنے میں دیر نہ لگاؤ۔بڑی کے ساتھ چھوٹی کے ہاتھ بھی پیلے کر دو۔"شمسہ نے مشورہ دیا۔

"لیکن اتنی جلدی تیاری۔۔۔۔۔۔۔"

"ارے!جب لڑکے والوں کا کوئی مطالبہ نہیں تو پھر تم کیوں ہلکان ہوتی ہو۔"

شمسہ اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوئی۔یوں چھوٹی کا رشتہ بھی طے پا گیا لیکن فکروں نے زیبو کی نیندیں اڑا دی۔ تھوڑا بہت جو پس انداز کر رکھا تھا،وہ بڑی بیٹی کی تیاریوں میں کام آ گیا۔اتنا اسباب نہ تھا کہ بیک وقت دونوں کا بیاہ کر سکیں۔انہیں تیاری کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا مگر چھوٹی کے سسرال والوں کو جلدی تھی۔انکار کی صورت میں یہ ممکن تھا کہ خوش قسمتی دوبارہ دستک نہ دے۔ایسے میں انہیں اپنے مرحوم خاوند کے الفاظ یاد آ جاتے۔

"زیب!میرا مرض اب علاج کے قابل نہیں۔جو جمع پونجی ہے اسے بچیوں کے لیے سنبھال رکھو۔میرے بعد یہی سفینہ اور سکینہ کا مستقبل ہے۔"لیکن وہ کیسے اپنے سہاگ کو موت کے منہ میں جانے دیتی۔ساری پونجی پھنک گئی۔پھر بھی بیوگی مقدر بنی۔"کاش!ان کی بات مان لی ہوتی۔۔۔۔"زیب النساء نے آزردگی سے سوچا۔"امی! آپ پریشان نہ ہوں۔جو میرے مقدر میں لکھا ہے،مجھے مل جائے گا۔""لائیے!میں قمیض کی ترپائی کر دیتی ہوں، آپ چائے پی لیں۔"سکینہ نے ماں سے کہا۔"ہاں بیٹا!جلدی سے اسے مکمل کر دو۔عدیلہ لینے آتی ہی ہوگی۔"!!!

"عاطف صاحب! آپ نے قربانی کے بارے میں کیا سوچا؟عدیلہ شوہر سے مخاطب ہوئیں۔جن کی نظریں لیپ ٹاپ پر مرکوز تھیں۔"سوچنا کیا ہے۔۔۔؟ہمیشہ کی طرح اجتماعی قربانی میں حصہ ڈال دیں گے۔"

"افوہ!پھر اجتماعی قربانی۔۔۔۔۔؟اس بار بکرے لے آئیں۔اپنے گھر پر جانور بندھا ہو تو اچھا لگتا ہے۔

عدیلہ بچوں کی طرح چہکتے ہوئے بولیں۔"بکرے۔۔۔۔۔؟آپ کو مہنگائی کا کچھ اندازہ بھی ہے؟قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔""میری جیب۔۔۔۔۔۔۔"آپ پیسوں کی فکر نہ کریں،اس مقصد کے لیے میں نے کمیٹی ڈالی ہے۔"عدیلہ ان کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوئی۔بچپن سے اس کے دل میں یہ خواہش پل رہی تھی کہ قربانی کا جانور اپنا ہو مگر والد کی استطاعت اجتماعی قربانی کی بھی نہ تھی۔لہذا حسرت حسرت ہی رہی۔شادی کے ابتدائی دو سال اجتماعی قربانی کی روایت قائم رہی لیکن اب اس نے اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے رستہ ڈھونڈ لیا تھا۔شوہر کی طرف سے ہر ماہ ملنے والی جیب خرچ سے کمیٹی ڈالی تھی۔"واہ بھئی!آپ کی عقل مندی نے مسئلہ ہی حل کر دیا۔"عاطف نے بیوی کو سراہا۔!!!"امی!یہ پیسے رکھیں۔"سفینہ ماں سے مخاطب ہوئی۔"ان پیسوں سے صرف سکینہ کے کپڑے اور ذاتی استعمال کی چند چیزوں کا ہی انتظام ہو سکے گا۔""زیور۔۔۔۔۔۔۔؟اللہ مسبب الاسباب ہے۔کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے گا۔میں نے آفس میں قرض کی بات کی ہے۔"سفینہ نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔!!!!

"عدیلہ!پیسے دو۔میں فاروق کے ساتھ بکرا منڈی جا رہا ہوں۔"عاطف بولے۔

"قربانی صرف جانور ذبح کر کے خون بہانے کا نام نہیں۔بلکہ اپنی خواہشات کی نفی کر کے کسی کی ضروریات کو پورا کرنا بھی قربانی کے زمرے میں آتا ہے،اور میں خواہشات کی اسیر ہو کر رب کی ناراضگی مول نہیں لے سکتی۔"

عدیلہ کے اتنے سنجیدہ لہجے پر عاطف کو حیرانگی ہوئی۔اس نے بیوی کی اس گفتگو کا پس منظر نہ جانتے ہوئے بھی اس کی بات سے اتفاق کیا۔مسکراتی نظروں میں احساس تفاخر لیے اسے دیکھتے ہوئے گھر سے باہر چلے گئے۔

☆☆☆☆

”خوابوں کی شہزادی- باصلاحیت لکھاری:علیشہ چوہدری“

تحریر و ملاقات:فاکہہ قمر۔

برقی پتہ:xmano54321@gmail.com

ہر انسان کا کوئی نہ کوئی خواب ہوتا ہے،ہر آنکھ میں مختلف نوعیت کے خواب پائے جاتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی سوتے ہوئے خواب دیکھتا ہے اور کوئی جاگتے ہوئی آنکھ سے دیکھتا ہے۔بعض کا کہنا ہے کہ خواب محض دلی لگی کے لیے ہوتے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ہے لیکن در حقیقت یہ اپنا وجود رکھتے ہیں۔

ایسی ہی ایک لڑکی جس نے جاگتی آنکھوں میں خواب سجائے اور ان کی تعبیر کے لیے تن تنہا کمربستہ ہو کر منزل کا تعین کرتے ہوئے بے شمار تکلیفوں اور اذیتوں کو سہتے ہوئے اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر کر لیا۔

جام پور کے ضلع راجن پور کی ایک عام سی لڑکی نے اپنے خوابوں کو پانے کے لیے گھر بیٹھے قلم کو تھام کر اپنی اور دیگر بے شمار لوگوں کی زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔علیشہ چوہدری نے 2018ء میں لکھنا شروع کیا تھا اور زیادہ تر غمگین شاعری کو موضوع بناتے ہوئے لکھنے کی ابتداء کی پھر دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے متعدد موضوعات پر طبع آزمائی کرتے ہوئے معاشرے کے مسائل کو قلم بند کیا،ساتھ ہی ساتھ بچوں کے لیے کہانیاں بھی لکھ رہی ہیں۔اپنے ابتدائی ادبی سفر میں بے شمار مسائل کا سامنا کرتے ہوئے انہوں نے کامیابی کا سفر بہت مشکل سے طے کیا ہے۔

ان سے ملاقات کی روداد ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:

السلام علیکم!کیسی ہیں آپ؟

الحمدللہ!میں خیریت سے ہوں۔

انٹرویو کے لیے وقت نکالنے کے لیے میں آپ کی بے حد ممنون ہوں،

سوال:علیشہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ علیشہ آپ کا اصلی نام ہے یا قلمی؟

ج:علیشہ میرا قلمی نام ہے۔میں اپنا اصل نام ہی تو شیئر نہیں کرنا چاہتی ہوں۔

سوال: آپ کی پیدائش کہاں ہوئی؟ بچپن کہاں اور کیسا گزرا ہے؟

ج: جون کے مہینے میں، اوچ شریف میں اپنے نانا ابو کے گھر۔ ہاہاہا! یہ کیا یاد کروادیا آپ نے، میرا بچپن بہت ہی شاندار گزرا ہے، شرارتوں میں یادیں تو بہت سی ہیں۔ سب سے اچھی بات میرے بچپن کی میں کسی کے گھر مہمان جا کر شرارت نہیں کرتی تھی۔ شاید ہی کسی کا بچپن میرے بچپن کی طرح شاندار گزرا ہو۔ بچپن کا ایک ایک پل قیمتی اور یادگار ہے، میں مٹی اور ریت کے گھر بھی بنائے گڑیا سے بھی خوب کھیلا اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے لیکن سب بتایا نہیں جا سکتا ہے۔

سوال: زمانہ طالب علمی کا دور کیسا گزرا ہے، آپ کیسی طالبعلم تھی؟

ج: طالب علمی کا دور بہت خوبصورت اور شاندار گزرا ہے۔ میرا شمار شروع سے اچھی طالبعلم میں رہا ہے۔

سوال: آپ کی تعلیم کتنی ہے؟

ج۔ بی اے۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر کورس بھی کیا ہوا ہے۔

سوال: ادب کی جانب مائل کیسے ہوئی؟

ج: ادب کی طرف آنے کا شوق تھا۔ شروع شروع میں شاعری لکھتی رہی ہوں اب چھوڑ دی ہے۔ اب صرف کالم اور بچوں کی کہانیاں ہی لکھتی ہوں۔

سوال: پہلی بار لکھنے کا خیال کب، کیوں اور کیسے آیا؟

ج: سکول میں شاعری کیا کرتی تھی تو دوستوں نے کہا لکھوں اور شائع کراؤں۔ پھر میں نے باقاعدہ لکھنا شروع کر دیا۔

سوال: کیا سوچ کر قلم کو تھاما تھا؟ کس بات نے لکھنے پر مجبور کیا؟

ج: میں نے معاشرے کی اصلاح کے لیے اور مثبت پیغام دینے کے لیے قلم کو تھاما تھا۔ میں کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اپنے ملک اور اس کی عوام میں شعور بیدار کرنا چاہتی تھی، بہت سے مسائل اجاگر کرنے تھے۔ گھر رہ کر قلم کے ذریعے لوگوں تک پیغام دینے کے لیے میں نے قلم کا سہارا لیا تھا۔

سوال: پہلی تحریر کب اور کہاں پر شائع ہوئی؟

ج: میری پہلی نظم جو شائع ہوئی وہ کرونا وائرس کے حوالے سے تھی۔ جو کہ ماہنامہ اثاثہ میگزین میں شائع ہوئی تھی۔ یہ پاسبان بزم قلم کے تعاون سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد روز نامہ نوائے وقت ملتان، روز نامہ افلاک لاہور ، روز نامہ سسٹم لاہور، روز نامہ باڈر لائن لاہور، روز نامہ بہاولپور کے نام سرِ فہرست ہیں۔

سوال: آپ کا ادبی سفر کیسا چل رہا ہے؟ کیا کسی قسم کی کوئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

ج: ادبی سفر بہت اچھا ہے۔ شروع میں بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پھر اللہ پاک کا کرم ہوا اور باقاعدہ طور پر میری تحریریں شائع ہونے لگی۔ میری کوئی بھی تحریر کسی بھی ادارے کی طرف سے ریجیکٹ نہیں ہوئی۔

س: آپ معاشرتی مسائل کو اجاگر کرتی ہیں یہ بتائیں کہ ہمارا معاشرہ پستی کا شکار کیوں ہے؟

ج: جب تک ہمارا معاشرہ ہمارا ملک صرف ایک اسلامی ریاست ہے لیکن یہاں کوئی اسلامی قانون نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق پاکستان اور اس کے عوام کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ ملک میں کرپشن، زنا، بے گناہوں کو سزائیں سنائی جائیں۔ جھوٹ سچ اور سچ جھوٹ بنتا رہے گا تو ہمارا معاشرہ پستی کی طرف ہی جائے گا۔ جب تک اس سب کو جڑ سے اکھاڑ نہیں پھینکیں گے یہی حالات رہیں گے۔

س: ادبی دنیا میں آپ کے استاد کون ہیں؟ ان کی کوئی نصیحت یا اچھی بات کے بارے میں بتائیں۔

ج: مدثر کلیم سبحانی اور ذوالفقار علی بخاری صاحب میرے ادبی استاد ہیں۔ انہوں نے میری کالم نویسی کے حوالے سے بہت مدد کی ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھو، کالمز پڑھو، اس سے لکھنے میں بہتری آئے گی اور الفاظ کا سمندر ملے گا جو ایک اچھی تحریر لکھنے میں مدد گار ثابت ہو گا۔

سوال: گھر والوں کی جانب سے کس قدر معاونت حاصل ہے اور خاص طور پر آپ کے شوہر کا آپ کی ترقی میں کتنا کردار ہے؟

ج: گھر والوں نے خوب پذیرائی کی ہے۔ میرے شوہر بھی ساتھ ہیں الحمد اللہ وہ میرا لکھنا پسند کرتے ہیں اور میرا لکھا ہوا شوق سے پڑھتے ہیں اور مزید لکھنے کا بولتے ہیں۔

سوال: بطور لکھاری کس صنف میں نام بنانا چاہتی ہیں؟

ج: میں بطور کالم نگار اور بچوں کی ادیبہ کے طور پر نام بنانا چاہتی ہوں۔

سوال: اب تک کتنی تحاریر لکھ چکی ہیں؟ عموماً کن موضوعات پر لکھنا پسند کرتی ہیں؟

ج: اب تک بہت ساری تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔ زیادہ تر میں معاشرے کے مسائل اور سیاست پر لکھنا پسند کرتی ہوں۔

سوال: ادب کے علاوہ دیگر کیا مصروفیات ہیں؟

ج: گھر داری میں مصروف ہوں۔ کوکنگ کرنا، ڈریس ڈیزائن کرنا، پینٹنگ کا بھی شوق ہے۔

سوال: کبھی رائٹر زبلاک کا شکار ہوئی ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے کہ ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا ہے۔

سوال: ادبی کیریئر کے دوران کوئی خوشگوار واقعہ پیش آیا ہو جو آپ کے لئے ناقابل فراموش ہو تو قارئین کو بتائیں؟

ج: نہیں! ابھی تک ایسا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا جس کے متعلق بتایا جائے۔

سوال: پڑھنے والوں کو کوئی نصیحت کریں جس پر آپ کا خود کا عمل ہو؟

ج: کتابوں میں سب سے پہلے قرآن مجید، اشفاق احمد، بانو، علامہ اقبال، بابا بھلے شاہ صاحب کو ضرور پڑھیں اور غریب کو حقیر مت سمجھیں وہ اللہ کے ہی بندوں میں شامل ہیں جتنا ہو سکے ان کی مدد کریں۔

سوال: آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

ج: اللہ کی راہ میں زندگی وقف کرنا اور قلم کے ذریعے معاشرے میں مثبت پیغام دینا اصلاح کرنا اور معاشرے کے مسائل پر روشنی ڈالنا ہے۔

سوال: مستقبل کے کیا ارادے ہیں؟

ج: مستقبل میں قلمی سفر جاری رکھنا ہے انشاءاللہ۔

سوال: ادبی کارکردگی پر کوئی ایوارڈ، سند یا شاباش کے بارے میں چند خوشگوار باتیں اور تجربات بیان کریں۔

جواب: اعلیٰ کارکردگی پر کچھ سرٹیفکیٹ ملے ہیں۔

پاسبان بزم قلم کے تحت ہونے مضمون نویسی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ادبی کہکشاں میں بہترین شاعری پر تعریفی سند دی گئی۔ ادیب نگر 23 مارچ ایونٹ کے مقابلے میں سوم پوزیشن حاصل کی۔ ادیب نگر رمضان سیگمنٹ کے تحریری مقابلے میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

اسلامی کوئز مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور پانچ سو روپے انعام حاصل کیا۔ اسی طرح کے بہت سی اسناد اور انعام ملے ہیں۔

س: انسان کی زندگی کا حاصل کیا ہے؟ آپ کا مقصد حیات کیا ہے؟

ج: زندگی اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے ہمارے لئے۔ میں کرنا تو بہت کچھ چاہتی تھی لیکن کبھی موقع نہیں ملا کبھی قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔

میری زندگی خدمتِ خلق کے لیے ہے۔ جتنا بھی مجھ سے ہو سکا میں ضرور کروں گی۔

سوال: اپنے قارئین کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں۔

ج: آپ سب کے لیے میرا یہی پیغام ہے ہمشیہ سچ بولیں، سچ کا ساتھ دیں۔ کبھی بھی غلط کا ساتھ نہ دیں چاہیے اس میں آپ کا لاکھ فائدہ ہو اور کسی کی مدد کریں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کریں نہ کہ دنیا کی واہ واہ سمیٹنے کے لیے۔ خوش رہیں آباد رہیں۔ مجھے اور میری فیملی کو بھی اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ شکریہ!

نئے کپڑے

عرفان حیدر

عید الاضحیٰ قریب آچکی تھی۔ میں اپنے امی ابو کے ساتھ بازار سے عید کے کپڑوں کی خریداری کرنے گیا تھا۔ واپسی پر میں نے اپنے ایک ہم عمر لڑکے کو دیکھا، جو اداس ہو کر گلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کئی دنوں سے ایسے ہی پریشان تھا۔ اب اس کی یہ حالت مجھے بے چین کر رہی تھی۔

میں گھر پہنچا اور فریش ہو کر باہر نکل آیا۔ وہ لڑکا اب بھی ویسے ہی سوچوں کی وادیوں میں ڈوبا ڈوبا نظر آرہا تھا۔ حالانکہ قریب کے میدان میں بچے کرکٹ اور ٹینس کھیل رہے تھے مگر نہ جانے کیوں اس کا معصوم سا چہرہ الجھنوں کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

میں اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا' اس کو سلام کیا اور اس نے مجھے سلام کا جواب دیا۔

"دوست! میں تمھیں کچھ دنوں سے پریشان دیکھ رہا ہوں۔ تم مجھے بلا جھجک اپنی پریشانی بتا سکتے ہو' ہو سکتا ہے ہم کوئی حل نکال لیں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ارے نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے اپنے منہ پر نقلی مسکراہٹ سجائی مگر اس کی آنکھوں کا خالی پن اور مرجھایا ہوا چہرا حقیقت کا اعلان کر رہا تھا۔

"میرے پیارے دوست! میں جانتا ہوں تم کسی پریشانی میں مبتلا ہو، براہ کرام مجھے بتاؤ۔" میں نے تھوڑا اصرار کیا۔

"کچھ دنوں بعد بڑی عید آنے والی ہے۔ میرے سب رشتے داروں نے کپڑے خرید لیے ہیں۔ میرے ابو مزدور ہیں۔ کتنی عیدیں گزر چکی ہیں میں نے نئے کپڑے نہیں خریدے، میں ابو سے بھی فرمائش نہیں کرتا' کیونکہ میں نہیں چاہتا وہ شرمندہ ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کروں۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولنے لگا۔

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میری آنکھوں میں سے آنسو بہنا شروع ہو چکے تھے۔ میں نے اسے فوراً گلے لگا لیا۔

"تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ تم میرے بھائی ہو۔ میرے پاس تمھارے لیے سرپرائز ہے۔ چلو میرے گھر چلتے ہیں۔" میں نے اس کے آنسو صاف کیے اور کہا۔

پہلے تو وہ نہ مانا لیکن میرے بار بار کہنے کی وجہ سے اسے میرے ساتھ چلنا پڑا۔

میں اسے اپنے گھر لے گیا اور اس کی مہمان نوازی کی۔ اس کے بعد میں نے اسے اپنے عید کے نئے کپڑے تحفے میں دے دیے۔ اس وقت اس کے چہرے پر جو خوشی میں دیکھ سکتا تھا اتنی خوشی شاید مجھے بھی یہ کپڑے پہن کر نہ ہوتی۔ خوشی سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ میرے گلے لگ گیا۔

اس وقت کی میری کیفیت ناقابل بیان ہے۔ مجھے اس قدر سکون زندگی میں پہلی مرتبہ میسر آیا تھا۔ میں اسے اس کے گھر چھوڑ آیا اور اسے تسلی بھی دی۔

"بیٹا ہمیں آپ پر فخر ہے۔ آپ نے حقیقی قربانی کا ثبوت دیا ہے۔" امی جان نے ابو جان کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ہاں، جانور کی قربانی تو ہمیں سکھاتی بھی یہی ہے کہ ہمیں اللہ کی راہ میں اپنا مال اور جان قربان کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" ابو جان نے امی جان کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

امی ابو نے مجھے گلے لگا لیا' مجھے خوب پیار کیا۔ انھوں نے میری اس قربانی پر میرا حوصلہ بڑھایا اور ہمیشہ قربانی کے لیے تیار رہنے کا کہا۔

☆☆☆☆

کھائیں کیا اور بانٹیں گے کیا؟

مریم شہزاد

"ارے فاطمہ گڑیا، کیسی باتیں کر رہی ہو، بھلا ایک ہی بکرا کیسے لا سکتا ہے ذیشان" دادی نے چونکتے ہوئے کہا

"دادی میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، ابھی بھائی کا فون آیا تھا انہوں نے یہ ہی بتایا ہے کہ ایک ہی بکرا لیا ہے اور اب تو پہنچے والے ہی ہونگے۔ فاطمہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں کہتی ہوں۔۔۔۔

دادی کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ ذیشان آگیا اور آکر صوفے پر گر سا گیا۔ "فاطمہ پانی" "جی بھائی ابھی لائی،"

"کیا ہوا بہت تھک گئے؟" امی نے پیار سے تھکن سے چور بیٹے کو دیکھ کر پوچھا" جی امی، اس مہنگائی نے تھکا دیا ہے، اتنے مہنگے بکرے، الامان الحفیظ، توبہ توبہ" اس نے فاطمہ سے پانی لیا اور کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا

"ابو کا ہی دم خم تھا ماشاء اللہ" دادی جو اتنی دیر بڑی مشکل سے اپنے آپ کو روکے بیٹھی تھی آخر بول اٹھی

"مگر بیٹا، ایک بکرے میں کیسے سماء ہو گا؟"

"سمائ؟" زیشان نے سوالیہ انداز سے پوچھا

"مطلب کیسے گزارہ ہو گا بھلا، کھائیں گے کیا اور بانٹیں گے کیا؟" ذیشان نے پریشان ہو کر ان کو دیکھا" دادی بہت مشکل سے ایک کا بھی ہوا ہے، گائے میں حصہ کر لیں گے"

"واہ بیٹا واہ یہ بھی خوب کہی، ایک بکرے کی رانیں تو تمہاری بہنوں کے ہاں چلی جائیں گی اور دستیاں تمہاری پھپو کے ہاں پھر اڑوس پڑوس کو بھی نبھانا ہے، اب کھائیں گے یا بانٹیں گے" دادی فکر مندی سے بولیں

"دادی۔۔۔۔" ذیشان نے کچھ کہنا چاہا مگر امی بول اٹھی

"تم نہا دھو کر آرام کر لو بعد میں بات کرتے ہیں۔

وہ اٹھ کر کمرے میں آگیا اور سوچنے لگا نجانے ابو کیسے سب کرتے تھے، ابو کے اچانک انتقال کے بعد ساری ذمہ داری اس کے کاندھوں پہ آگئی تھی جس کو وہ بہت خوش اسلوبی سے نبھا رہا تھا مگر عید الفطر اور اب بقر عید پر وہ گھبرا گیا تھا خاص کر آج تو بکروں کی قیمتوں نے اس کے دانتوں تلے پسینہ آگیا تھا اس پر اب دادی کی باتیں!

امی چائے لئے اس کے کمرے میں آئیں تو اس کو سوچتے ہوئے دیکھ کر پوچھا

"دادی کی باتوں سے پریشان ہو گئے؟"

"کچھ کچھ، مگر امی میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ماشاءاللہ بہنیں اور پھوپی سب کے گھر بھرپور قربانی ہوتی ہے اور پھر ہم ان کے ہاں بھیجتے ہیں اور وہ ہمارے ہاں، تو اس لین دین کا کیا فائدہ"

"فائدہ تو پتہ نہیں مگر یہ رسم ورواج ہیں، اس لئے نبھانے تو ہیں"

"اس سے بہتر یہ نہیں ہوتا کہ ہم ان رشتہ داروں کے گھر گوشت بھیجیں جن کے ہاں قربانی نہیں ہوتی"

"ہونا تو ایسا ہی چاہیے مگر۔۔۔" امی کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ "دادی کو کون سمجھائے گا؟ یہی نا؟" ذیشان نے کہا تو وہ مسکرا دیں۔ "آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں نا؟" امی نے نہ میں سر ہلایا تو وہ بولا "ٹھیک ہے اس دفعہ بقر عید پر گوشت مستحقین کو ہی جائے گا، دادی کو تو میں سنبھال لوں گا آخر ان کا ہی پوتا ہوں۔

اکلوتے بکرے کی خاطر مدارات کرتے دیکھ کر دادی بار بار اس کو کہتی۔

"میں کہتی ہوں، ایک بکرا اور لے آؤ، اکیلا بکرا پریشان ہوتا ہے" تو ذیشان مسکرا کر کہتا

"دادی فکر نا کریں، دیکھیے گا ایک ہی بکرا جنت میں لے جائے گا،"

مگر ایک دن ان سے ضبط نہ ہوا "ارے ایک بکرے میں سے بچے گا کیا، کھائیں گے کیا اور بانٹیں گے کیا"

"دادی آپ دیکھنا تو ایک بکرے سے چار رانیں اور چار دستیاں نکلیں گی اتنا کھلایا ہے میں نے" وہ مسخرے پن سے بولا تو امی اور فاطمہ کی ہنسی نکل گئی اور وہ تلملا کر رہ گئی

کل عید الاضحی تھی سب ہی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے کہ فون کی بیل ہوئی۔امی نے موبائل دادی کو دیتے ہوئے کہابڑی بیٹی کی ساس آپ سے بات کریں گی۔

وہ کافی دیر بات کرتی رہی اور ابھی فون بند ہی کیا تھا کہ دوسری پوتی کی ساس کا فون آگیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد پھپو کا بھی فون آیا تو دادی پھڑک اٹھی۔

"میں سب سمجھ رہی ہوں، سب کی ملی بھگت ہے یہ، ارے لوگ کیا کہیں گے کہ اب ہم اتنے گئے گزرے ہو گئے کہ بیٹیوں کے ہاں قربانی کا گوشت بھی نہیں بھیج سکتے،" وہ غصے سے بولیں تو ذیشان ان کے پاس آکر بیٹھ گیا اور چاؤ سے بولا "اچھی دادی، آپ تو اتنی رکھ رکھاؤ والی اتنی سمجھدار ہیں، ہم سے زیادہ دین کو جانتی ہیں، پھر آپ کیوں ان بے کار کی رسموں اور لین دین میں پھنس گئی، آپ نے تو ہم کو سنت، اور فرائض سکھائے اور اب قربانی جو خاص اللہ کے لئے ہے اس میں لوگ کیا کہے گے سوچ رہی ہیں، دادی ہم تو اللہ کے لئے ہی قربانی کریں گے نا؟"

"اچھا تو پٹی تمہاری پڑھائی ہوئی ہے جبھی میں کہوں یہ بہنویوں سے کیا کھسر پھسر چل رہی تھی" دادی اگر مرد اپنی عورتوں کو صحیح رہنمائی کریں نا تو عورتیں بھی سمجھ جاتی ہیں اور پھر دین کی بات تو جو بھی ٹھیک کرے اس کی مان لینی چاہیے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا،"

"تم کہہ تو ٹھیک ہی رہے ہو مگر ایک بکرے میں سے ہم کھائیں گے یا بانٹیں گے؟۔۔۔۔اور ذیشان سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆

مہنگائی سے انٹرویو

دانیال حسن چغتائی

سوال: کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟

جواب: جی ہاں! میرا نام مہنگائی ہے۔

سوال: آپ کی پیدائش اور پرورش کہاں پر ہوئی ہے؟

جواب: میری پیدائش لالچی لوگوں کے دماغ میں ہوئی ہے اور پرورش ان کی زبان پر ہوئی ہے۔

سوال: آپ نے عمر کی کتنی بہاریں دیکھی ہیں؟

جواب: ہنستے ہوئے ،جی میری تو ساری عمر ہی بہاروں میں گزری ہے۔

سوال: آپ کی دلی تمنا اور ارادے کیا ہیں؟

جواب: غریبوں کو بھوک سے مارنا اور امیروں کو امیر تر بنانا۔

سوال: آپ کو افسوس کس وقت ہوتا ہے؟

جواب: جب غریب مجھ پر لعنت بھیجتے ہیں۔

سوال۔ یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے۔

ج: جی مجبوری میں برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

سوال: آپ کو خوشی کس وقت ہوتی ہے؟

نظم: عید قرباں کی فضیلت

شاعر: ارسلان اللہ خان

نبی ﷺ نے ہم کو بتلائی فضیلت عیدِ قرباں کی
خدا کے فضل سے آئی ہے ساعت عیدِ قرباں کی
جو رکھے استطاعت اس پہ لازم ہے یہ قربانی
سبھی کے واسطے لیکن ہے فرحت عیدِ قرباں کی
خلیل اللہ کی سنّت ہے قربانی مسلمانو!
ہر اِک مومن کے دل میں ہے محبت عیدِ قرباں کی
اسے یہ چاہیے کہ شکرِ رب کرتا رہے ہر پل
جسے اللہ نے دی ہے سعادت عیدِ قرباں کی
غریبوں کے گھروں میں بھی بہت سا گوشت آتا ہے
سبحان اللہ یہ کتنی ہے برکت عیدِ قرباں کی
کہیں گائے، کہیں پر اونٹ ہے تو ہے کہیں بکرا
کہ کتنی رونقیں لائی ہے سنّت عیدِ قرباں کی
ریاکاری سے ہم سب کو بچالے اے مرے مولیٰ
ہمارے قلب پر چھا جائے عظمت عیدِ قرباں کی
بڑی ہے عید اور بچّے بڑے سب ہی بہت خوش ہیں
ہے دیکھو ارسلاں کیسی مسرّت عیدِ قرباں کی

ج:جب غریب مجھے حسرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

س: آج کل آپ کا کیا حال ہے؟

ج: آج کل تو میرے وارے ہی نیارے ہیں کیوں کہ بحرانوں کا وقت چل رہا ہے-سو کی چیز دو سو میں فروخت ہو رہی ہے۔

س: کیا آپ پر کبھی اچھے یا برے دن بھی آئے ہیں یا اس کا اندیشہ ہے؟

ج: فی الحال تو برے دن آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو تا۔ہاں اگر کوئی عوام کی ہمدرد حکومت آگئی تو پھر مجھ پر برے دن آسکتے ہیں۔

س: انسانی معاشرے میں آپ کا کیا مقام ہے؟

ج: جتنا اونچا میرا مقام ہے، اتنا تو صدر اور وزیر اعظم کا بھی نہیں ہے۔

س: آپ کی پہنچ کہاں کہاں تک ہے؟

ج: اس وقت تو میں پورے ملک پر چھائی ہوئی ہوں۔ ہر شخص میرے ہاتھوں پریشان ہے۔

س: آپ اپنا پتا بتا سکتی ہیں؟

ج: میرا پتا ہے مس مہنگائی، معرفت بے ایمان، لالچی تاجر اور دکان دار۔

☆☆☆☆

"کاٹو میاں اور کالا بیل"

ہانیہ ارمیا

عید قرباں کی آمد آمد تھی۔ بکرا، دنبہ ہر گھر کے باہر بندھا رونق دوبالا کر رہا تھا۔ ہر دو تین گھر کے فاصلے پہ بیل بندھے غصیلی نگاہوں سے آنے جانے والوں کو رعب دکھا رہے تھے۔ بچوں کی ٹولیاں ارد گرد اور بکرے اور دنبے شہزادوں کی طرح ناز اٹھوانے میں مصروف تھے۔ مگر ابھی تک کاٹو میاں کے گھر کسی جانور کی آمد نہ ہوئی تھی۔ دادو کے لاڈلے نے اس بار سوچ رکھا تھا کہ اس سال مومی کے جیسا بیل گھر آنا چاہیے۔ مومی کاٹو کا اچھا دوست تو تھا مگر اس کے ساتھ چھوٹی موٹی بحث اور ان بن بھی دوستی کا حصہ تھی مومی کے گھر ایک بار پہلے ہی گہرے بھورے رنگ کا بیل آچکا تھا مگر کاٹو کا گھر ابھی جانور کی رونق سے عاری تھا۔

آخر عید سے ہفتہ پہلے دادی نے ابا کو قربانی کا جانور لانے کا حکم صادر فرمایا تو کاٹو لگا دادی کے کان میں سرگوشیاں کرنے۔ دادی اس بار بیل لانا ہے مومی کے جیسا۔ مومی مجھے بیل دکھا دکھا کے چھیڑتا ہے کہتا ہے ایسا بیل لا کر دکھاؤ۔ دادی اس جیسا بیل یہاں کسی کے پاس نہیں، تب ہی وہ اکڑ دکھاتا ہے۔ دادی، پیاری دادی، ہم بھی بیل لائیں گے۔

آخر کاٹو کی منتیں رنگ لے آئیں۔ دادی نے ابا کو کہا کہ سارے کام چھوڑ کے آبائی گاو□ ں جائیں اور وہاں کا سب سے ہٹا کٹا اور صحت مند بیل کل صبح گھر کے دروازے کے باہر ہو۔

دادی کا حکم ہو اور گھر میں وہ کام نہ ہو، ایسا ممکن ہی نہیں۔ ابا میاں اگلی صبح ہی گاو□ ں کے لیے نکل پڑے اور شام تک کالے رنگ کا صحت مند،

دراز قد بیل گھر کے باہر تھا جو دیکھتا، عش عش کرتا۔ ایسا خوبصورت بیل، لڑکے بالے اس کے ساتھ سیلفیاں بنانے لگے۔ خوبصورت، جوان بیل کو دیکھ کر کاٹو میاں بھی تن گئے۔ اگلی صبح بیل دکھانے اور رعب جمانے کی نیت سے مومی کو گھر بہانے سے بلوایا۔ بیل کو دیکھ کر مومی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ بیل کی کمر سہلاتے ہوئے بولا!

ارے واہ! کاٹو کیا بات ہے؟

یہ بیل تو بے حد ہوشیار لگتا ہے۔ کاٹو اکڑ کر بولا! یہ صرف لگتا ہی نہیں، یہ ہوشیار اور توانا ہے۔ اور اس کی کمر پہ زیادہ ہاتھ نہ لگاؤ اسے پسند نہیں۔ میں تو یار یونہی پیار کر رہا تھا۔ کاٹو کی بات پہ مومی کھسیانا سا ہو کے بیل سے پیچھے ہٹ گیا بیل کا گھر میں آنا کیا ہوا۔ کاٹو میاں بس بیل کے ہی ہو کر رہ گئے۔ کبھی گھاس کھلا رہے ہیں کبھی پانی پلا رہے ہیں کبھی اس کے پاس بیٹھے گپیں مار رہے ہیں دن اور رات کاٹو میاں کا بیل کے ساتھ گزرنے لگا۔ کاٹو نے بیل کا نام بھی رکھ لیا "شیرو"۔ امی کے ہاتھ تو کاٹو پہلے بھی نہ آتا تھا مگر اب دادی بیچاری بھی آوازیں دیتی رہ جاتیں، مگر کاٹو میاں کے کان میں ایک آواز نہ جاتی۔ عید سے دو دن پہلے سارا دن کاٹو نے شیرو کا نہلایا دھلایا، دوپہر کا چارہ جی بھر کر کھلایا شام کو ابا جب بیل کو ٹہلانے کے لیے جانے لگے تو کاٹو نے ضد پکڑ لی کہ میں بھی جاؤں گا۔ چار و ناچار ابا کو ساتھ لے جانا پڑا۔ کچھ دور جا کر کاٹو میاں پہ دھن سوار ہوئی کہ رسی انھیں تھما دی جائے۔ ابا نے بات سنی ان سنی کر دی۔ مگر کاٹو میاں کی ضد جب زور پڑنے لگی تو ابا نے نہ چاہتے ہوئے بھی رسی اس کو تھما دی۔ شریفانہ انداز میں چلتے شیرو نے گردن گھما کر جب گز بھر کے کاٹو میاں کو رسی تھامے دیکھا تو اسے یہ اپنی حقارت محسوس ہوئی کہ مجھ جیسے بھاری بھر کم، ڈھیل ڈول والے بیل کو یہ دس سال کا لڑکا جدھر چاہے، لے کر جاتا جائے، ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتے اٹھاتے اس نے پھر سے مڑ کر کاٹو کو دیکھا، اور پھر کیا، ایسی تیزی پکڑی کہ رسی ایک ہی جھٹکے میں کاٹو کے ساتھ سے پھسل گئی، اور بیل یہ جا، وہ جا۔ رسی کے ہاتھ سے نکلتے ہی کاٹو نے باپ کو بلند آواز سے صدا لگائی۔ "ابا"! ابا میاں جو بیل کے پیچھے چلتے ہوئے فون پہ دوست سے باتیں کر رہے تھے۔ بیٹے کی آواز پہ جب متوجہ ہوئے تو بیل دس قدم آگے جا چکا تھا فون یکدم ہاتھ سے گرا مگر اس لمحے فون کی کسے پرواہ تھی۔ ابا نے شیرو کے پیچھے دوڑ لگا دی مگر شیرو تو اس وقت سچ مچ کا شیرو بنا ہوا تھا جو کسی طور پلٹنے کو تیار نہیں تھا۔ ابا نے محلے کے چار پانچ لڑکے ساتھ ملائے اور دو تین طرف سے گھیرا ڈال کر شیرو کو جا لیا۔ آدھ گھنٹہ ابا کو بھگا کر اور مزید آدھا گھنٹہ چار پانچ لڑکوں کو تھکا کر، شیرو صاحب پکڑ میں آئے اور ایسے پکڑ میں آئے کہ عید تک پھر کھونٹی سے ہی جڑے نظر آئے۔

گھر آ کر ابا کے ہاتھوں کاٹو کی جو تواضع ہوئی وہ قصہ پھر سہی۔

☆☆☆☆

"عظیم قربانی"

ذوالفقار علی بخاری، پاکستان

"ہم نے سوچا ہے اس بار قربانی کے لئے اونٹ خریدیں"۔

عبد الہادی نے کھلے میدان میں ایک دائرے میں بیٹھے اپنے دوستوں سے کہا۔

"ہم تو بھئی دنبہ لیں گے"۔

عبد الباسط نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے ابو تو خوبصورت سا بکرا لینے کا سوچ رہے ہیں"۔

عبد القوی کہاں چپ رہنے والا تھا اس نے بھی لب کشائی کر دی تھی۔

"بھیڑ لیں گے ہم، اگر چچا نے مل کر قربانی کا سوچا تو پھر ہم بیل لیں گے"۔

عبد الستار نے کہا۔

چاروں دوست بات کر رہے تھے کہ ان کے پاس سے گزرتے ایک بزرگ نے ان کی باتیں سن کر سوال کیا۔

"کچھ پتا بھی ہے کہ قربانی کے لئے جانور کیسا ہونا چاہیے؟"۔

"جی محترم بزرگوار۔ قربانی کے جانور کے لئے ایک شرط بے حد ضروری ہوتی ہے کہ وہ ہر طرح کے جسمانی عیب سے پاک ہو۔ اسی وجہ سے سب کی تلاش یہی ہوتی ہے کہ صحت مند اور خوب صورت جانور قربانی کے لئے منتخب کیا جائے"۔

عبد الہادی نے جواب دیا تو وہ بزرگ بڑے خوش ہوئے۔

پھر انہوں نے چاروں سے ایک اور سوال کیا۔

"قربانی کا گوشت کتنے حصوں میں بانٹا جاتا ہے"۔

"اس سوال کا جواب میں دوں گا"۔

عبد الباسط نے تیزی سے کہا اور پھر سوال کا جواب دینا شروع کر دیا۔

"قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جس میں سے ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا حصہ رشتے داروں کے لئے اور تیسرا حصہ غریبوں کے لئے ہوتا ہے"۔

عبد الباسط نے جواب دیتے ہی بزرگ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تاکہ ان کی شاباشی حاصل کر سکے۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر شاباش دی۔

عبد الباسط کو ملنے والی داد نے عبد القوی کے دل کو بھی مچل دیا تھا کہ وہ بھی کچھ معلومات بزرگ کو بتا کر شاباشی حاصل کرے۔

"میں بھی کچھ بتانا چاہتا ہوں جناب"۔

عبد القوی نے مسکراتے ہوئے کہا تو ان بزرگ نے اجازت دے دی۔

"جناب! عید الضحیٰ اسلامی کلینڈر کے آخری مہینے کی 10 ذی الحج کو منائی جاتی ہے۔ اس عید پر جانوروں کی قربانی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس عید کو "عید قربان" بھی کہا جاتا ہے۔ حجاج کرام قربانی کرنے کے بعد حج کے لئے پہنا گیا خصوصی لباس، احرام کو اتار دیتے ہیں۔ یہ عید ایک عظیم واقعے کی یاد میں منائی جاتی ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ اسلام کی فرماں برداری ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے کس طرح سے رب کے حکم کی تکمیل کرنا چاہی تھی۔

"ارے واہ بیٹا! آپ تو بہت کچھ جانتے ہیں"۔

بزرگ نے چاروں دوستوں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"ایک بات پوچھوں تو کیا آپ ناراض تو نہیں ہونگے؟"

"جی نہیں" چاروں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"آپ اپنے والدین کے کتنے فرماں بردار ہیں"۔

بزرگ نے سوال کیا تو چاروں کے سر جھک گئے تھے۔

انہوں نے آج تک اس بات کا سوچا ہی نہیں تھا کہ کبھی اس طرح کا کوئی سوال بھی یوں کیا جا سکتا ہے۔

بزرگ کافی دیر تک ان کو خاموش دیکھتے رہے۔

پھر انہوں نے بولنا شروع کیا تو چاروں کے چہروں کے رنگ بدلتے چلے گئے۔

"دیکھو بیٹا! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ اسلام کی فرماں برداری اللہ تعالیٰ کو اس قدر بھا گئی تھی کہ تا قیامت ان کے عمل کی پیروی ہوتی رہے گی۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام اپنے والدین کے فرماں بردار بیٹے تھے، انہوں نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کہی گئی بات پر فرماں بردار بیٹے کی مانند عمل کیا۔ اس لئے آپ کو بھی عید قربان کے لئے جانور تو ضرور خریدنے چاہیں مگر اپنے والدین کا بھی خوب تابعدار بننا چاہیے، یہی اس عید کا حقیقی مقصد بھی ہے، یہی عظیم قربانی کے واقعے کا سبق آموز نقطہ ہے"۔

بزرگ نے اپنی بات مکمل کی تو چاروں نے اس بات کا تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

مغرب کی اذان ہوتے ہی بزرگ اور چاروں دوستوں نے مسجد کا رخ کر لیا تھا، اب ان کے دل بھی بدل چکے تھے، انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اس بار عید کی خوشی پہلے سے زیادہ ہو گی۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

"عید الاضحیٰ"

دانیال حسن چغتائی

عید الاضحیٰ کا تعلق قربانی سے ایسے ہے بالکل اسی طرح جس طرح الفطر کا رمضان المبارک سے۔ یہ قربانی جو حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں پیش کی اس کی مثال تاریخ انبیا بلکہ تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔ قربانی پیش کرنے کی وجہ قرآن کریم نے اس طرح بیان کی ہے۔

وہ لڑکا (اسمعیل) جب اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا اے بیٹا! میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا ابا جان! جو کچھ آپ کو علم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے آپ انشائ اللہ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ آخر جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقینا یہ ایک بڑی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔" (الصفت)

بڑی قربانی سے مراد ایک مینڈھا ہے جو اس وقت اللہ تعالی کے فرشتے نے حضرت ابراہیم کے سامنے پیش کیا تا کہ بیٹے کے بدلے اسے ذبح کر دیں۔ اسے بڑی قربانی کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ ابراہیم جیسے وفادار بندے کے لیے اس کے صابر و جاں نثار بیٹے کا فدیہ تھا اور اس لیے اس سنت ابراہیمی کو آنے والی نسلوں میں ہمیشہ کے لیے جاری کر دیا گیا۔

یوں یہ رسم امت مسلمہ کی پہچان بنی اور عید الضحیٰ کا تصور قربانی کے بغیر ممکن نہیں۔ بعض ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ اس عالم گیر پیمانے پر جانوروں کی قربانی سرمائے (CAPITAL) کا ضیاع ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ غرباء و مساکین میں بقدر قیمت پیسے تقسیم کر دیے جاتے۔ گزارش یہ ہے کہ وہ تمام جانور جن کی قربانی کی جاتی ہے کہاں سے آتے ہیں؟ اونٹ گائے بکرے مینڈھے اور دنبے یہ سب کے سب کسی ایک جگہ تو پرورش نہیں پاتے۔ ملکوں شہروں اور قصبات سے لے کر چھوٹے چھوٹے دیہات تک یہ سلسلہ ایک ہمہ گیر پھیلاو رکھتا ہے۔ لاکھوں

دیہات میں ہر درجہ معاش کے لوگ اونٹ گائے اور بکریاں پالتے ہیں۔ کسی کے پاس دو اونٹ ہیں، کسی کے پاس ایک گائے اور کسی کے پاس بھیڑ بکریاں۔ بے شک بعض کے پاس بڑے بڑے ریوڑ بھی ہیں تاہم بڑے بڑے ریوڑ اور باڑوں میں جانوروں کی پرورش و پرداخت کے لیے بہر حال کافی رکھوالوں اور چرواہوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک سال کے بعد عید قرباں کے قریب ملک کے چاروں کونوں سے وہ اپنے اپنے ریوڑ اور جانور دیہات سے قصبات اور قصبوں سے شہروں میں لاتے ہیں۔ انہیں اپنی محنت کے اچھے صلہ کی امید ہوتی ہے۔ یہ سارے کا سارا سلسلہ اپنے اندر ہے پناہ معاشی فوائد رکھتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ بظاہر اس غیر منظم لیکن قدرتی و فطری طریقہ کار سے سرمایہ اپنے ترسیل زر کے اصولوں کے مطابق ملک کے کونے کونے اور وہاں رہنے والے افراد جو اس کام سے منسلک ہیں

تک پہنچتا اور یوں ارتکاز دولت میں رکاوٹ کا باعث بھی بنتا ہے۔ جبکہ مساکین میں محض رقم تقسیم کر دینے سے وہ ہمہ گیر معاشی فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو اس عمل کا خاصہ ہیں اور ویسے بھی عزت نفس کا احساس جو کاروبار سے حاصل ہو گا وہ خیرات وصول کرنے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ مزید یہ کہ مساکین کو آپ پیسے بانٹ بھی دیں گے تب بھی وہ گوشت جیسی مہنگی چیز خریدنے کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن قربانی کے طریقہ کار سے انہیں گوشت (کبھی کبھار ہی) کھانے کو مل تو جاتا ہے۔

قرآن نے بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ذبح کرنے کی غرض سے اپنے بیٹے حضرت اسمعیل کو چت نہیں بلکہ پیشانی کے بل اوندھا لٹایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ شفقت پدری اس فریضے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ لہذا وہ چاہتے تھے کہ لٹانے کے بعد وہ نیچے کی طرف سے ہاتھ ڈال کر چھری چلائیں۔ اور آداب فرزندی دیکھئے کہ حضرت اسمعیل نے جن کی عمر اس وقت دس بارہ سال سے زیادہ نہیں ہو گی، کس طرح حکم ربی کے آگے سر جھکاتے ہو؟ یہ کہا (انشائ اللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے)۔

اس بے مثل قربانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے قیامت تک کے لیے اس عمل کو سنت جاریہ قرار دے دیا۔ تاکہ اہل ایمان دنیا بھر میں جانور قربان کر کے وفاداری اور جاں نثاری کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کرتے رہیں۔ عربی لغت میں اضحی کے معنی ہیں جانوروں کی قربانی، چنانچہ عید الاضحی قربان ہونے والے جانوروں کی عید ہوئی

تاہم یہ اللہ کا انعام ہے کہ قربان ہونے والے جانوروں کا گوشت ہمیں کھانے کو ملتا ہے لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ہم نے ایک یا دو بکرے قربان کئے ہیں تو ان کا سارے کا سارا گوشت ہڑپ کر جائیں یا سارا گوشت کاٹ بنا کر اپنے فریزر کو منہ تک بھر لیں اور سارا مہینہ کھاتے رہیں۔ تمام گوشت کے تین حصے کریں۔ ایک حصہ مساکین کے لیے دوسرا اقربا کے لیے اور تیسرا اپنے لیے اور یہ اپنے لیے جو ہے اس کا بھی ہر گز یہ مطلب نہیں کہ سب اچھا گوشت چھانٹ کر ہم اپنے لئے رکھ لیں بلکہ سارے گوشت کو آپس میں ملا کر اس میں سے جو تیسرا حصہ بے صرف اس پر ہمارا حق ہے اور بس، ورنہ قربانی بے مقصد ہو گی۔

☆☆☆☆

نامور ادیب توشاد عادل، ندیم اختر، محمد فیصل علی، محمد جعفر خوشپوریہ اور فرزین لہرا کے دل چسپ کہانیاں اور حیرت انگیز ناول بہت جلد شائع ہو رہے ہیں۔
ابھی گھر بیٹھے حاصل کرنے کے لیے رابطہ کیجئے۔
رابطہ : 03232920497

"وادی کاغان کی سیر"

عمر فاروق عارفی

اللہ پاک کی بنائی خوبصورتیوں میں ایک خوبصورتی وادی کاغان کا علاقہ ہے، جہاں بغیر لوڈشیڈنگ کے چلتی آبشاریں اور چشمے، اللہ کی تسبیح کرتی مراقبے میں بیٹھی جھیلیں، بادلوں کے بوسے لیتے بلند وبالا پہاڑ، پہاڑوں کے اوپر اپنے پنجے گاڑے اونچے لمبے درخت، زمین پہ سر پٹختے دریا آپکے منتظر ہیں۔

رات کا سفر کر کے نماز فجر مانسہرہ پڑھی جائے اور وہاں سے بالا کوٹ شہر پہنچ کر صبح سویرے ماما ہوٹل سے پائے کے ساتھ گرما گرم ناشتہ کر کے مہم جوئی شروع کی جائے، بالا کوٹ سے نکلتے ہی پل پار کرتے دریائے کنہار آپکے بائیں ہاتھ بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے، آپ مسلسل بل کھاتی سڑک پہ اوپر جانا شروع ہو جاتے ہیں، بالا کوٹ شہر سطح سمندر سے 2915 فٹ بلندی پہ واقع ہے، بتدریج چڑھائی چڑھنے کے بعد تقریبا دو ہزار فٹ مزید بلندی پہ کیوائی پہنچ جاتے ہیں، یہاں سے آپ مین روڈ چھوڑ کر دائیں ہاتھ اوپر جاتی روڈ پہ چڑھنا شروع کر دیں، اب آپکا رخ سطح سمندر سے بلند مقام شوگراں کی طرف ہے اگر آپکا ڈرائیور اچھا اور گاڑی اجازت دیتی تو شوگراں تک گاڑی جا سکتی ورنہ کیوائی گاڑی روک کر جیپ کرایہ پہ لے لیں، شوگراں سے اوپر جیپ ٹریک کے ذریعے آپ بیچ دیودار، چیڑ، کائل وغیرہ کے دراز قد درختوں کے گھومتے ٹریک کے ساتھ سری اور پھر پائے پہنچ جاتے ہیں، پائے میڈوز سطح سمندر سے 9500 فٹ بلندی پہ واقع ہے، یہاں کی خوبصورت چراگاہ ایسے لگتا جیسے ہر طرف گھاس کا قالین بچھایا گیا ہو، یہاں چند گھنٹے گھوم

پھر کر آپ واپس شوگراں آئیں کھانا کھائیں اور پھر کیوائی پہنچیں، اور سیدھا مین روڈ سے ناران بازار پہنچیں اور قیام کریں،

اگلی صبح جلد نکلیں اور بابو سر ٹاپ کی طرف کوچ کریں، رستے کی سب خوبصورتیوں کو صرف گاڑی میں بیٹھے بیٹھے دل

میں سموئیں میرا ذاتی خیال ہے کہ سب سے پہلے آپ کو آخری پوائنٹ تک پہنچنا چاہئیے پھر واپسی پہ رکتے ہوئے آئیں اور جو جو پوائنٹ آئے دیکھتے ہوئے آئیں،

بابو سر ٹاپ سطح سمندر سے 13769 فٹ بلندی پہ واقع خوبصورت اور انتہائی سرد مقام ہے، یہاں خوب گرم جیکٹس وغیرہ پہن کر جائیں کیونکہ یہاں پٹھے منجمد کرنے والے ٹھنڈ ہوتی ہے، کچھ وقت گزار کر آپ واپس ناران روڈ کی طرف رخ کریں اور لولو سر جھیل کنارے آکر بریک لگائیں، لولو سر جھیل ایک ایسی جلالی جھیل ہے جہاں آپ پہ ایک رعب اور دبدبہ سا طاری ہو جاتا ہے، خاموشی سی ہوتی ہے، پوری وادی میں آپکے ہمراہ رہنے والے

دریائے کنہار کا یہی ماخذ ہے، کاغان ویلی کی یہ سب سے بڑی جھیل ہے، اس میں آپ ٹراوٹ مچھلی کی اچھل کود اور اٹکھیلیاں دیکھ کے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، اسکی شکل انگریزی حرف " w" سے ملتی جلتی ہے، اسکی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کا پانی ایسے لگتا جیسے ہر لمحہ تبدیل ہو رہا ہو، آپ یہاں جھیل کنارے بنے ہوٹل سے دوپہر کا کھانا کھائیں، کچھ وقت جھیل کو دیں اور ایک بار پھر سفر جاری رکھتے ہوئے بڑاوائی اور بٹہ کنڈی کے درمیان بڑی خوبصورت آبشار کا نظارہ کریں اور پھر بٹہ کنڈی کے مقام پہ بریک لگائیں یہاں آپ قیام کریں اور رش سے بہت دور ایک خاموش دنیا میں رات کا قیام کریں۔ اگلی صبح نکلیں اور بٹہ کنڈی کیساتھ بائیں ہاتھ اوپر جیپ ٹریک کو استعمال کرتے ہوئے جیپ سفاری کا مزہ لیں، مٹر کی کھیتوں، رنگ برنگے پھولوں اور دیودار، کائل کے درختوں کے بیچ سے چند منٹ کے سفر کے بعد لالہ زار پہنچ جائیں، لالہ زار ایک بہت ہی خوبصورت اور دلفریب مقام ہے، لالہ زار سطح سمندر سے دس ہزار پانچ سو فٹ بلندی پہ واقع ہے، یہاں دوپہر گزاریں کھانا کھائیں اور سیدھا ناران بازار پہنچیں، پل عبور کرتے ہی آپ ایک بار پھر جیپ کا پینتیس چالیس منٹ کا سفر کریں، کیونکہ جھیلوں کی شہزادی "سیف الملوک" آپکی منتظر ہے، جھیل سیف الملوک اکثر لوگوں کا سب سے پہلا پیار ہے، اس جیپ ٹریک پہ چلتے ہر موڑ پہ نئے نئے پرکشش مناظر آپکو اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں، جیسے ہی آپ اوپر پہنچتے ہیں پہلی نگاہ پڑتے ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ کیوں لوگوں کو اس جھیل سے پیار ہوتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے خوبصورت پری اپنے پر بچھائے پانی پہ تیر رہی ہو، یہ جھیل سطح سمندر سے 10500 فٹ بلند ہے، جھیل کے سامنے ایک برف کی پگڑی پہنے چوٹی نظر آتی ہے یہ ملکہ پربت ہے، اسکی بلندی ساڑھے سترہ ہزار فٹ کے لگ بھگ ہے اور یہ وادی کاغان کی سب سے بلندی چوٹی ہے، کسی بھی جھیل کو دیکھنے کا سب سے بہترین وقت صبح سویرے یا شام کے وقت ہوتا ہے، جہاں آپ سورج کی آخری کرنیں یا صبح پہلی پہلی کرنوں سے ایک پرنور نظارہ دیکھتے ہیں، جو آپکی روح کو تازگی بخشتا ہے، اگر وقت اور جیب اجازت دے تو کشتی رانی ضرور کریں، جھیل کے کنارے گھوڑے پہ بیٹھ کر ایک چکر لگا کر آپ اپنے زندگی کے رنگین صفحات میں ایک اور صفحے کا اضافہ کر سکتے ہیں، یہاں وقت گزار کر واپس شام تک ناران بازار میں قیام کریں۔ اگلی صبح نکلیں اور ناشتہ کاغان بازار آکر کریں اور ایک بار پھر سفر جاری رکھتے ہوئے پارس کے مقام پہ پہنچیں، یہاں سے آپ ایک بار پھر جیپ کا سفر کریں گے، گاڑی یہیں پارک کر کے دائیں ہاتھ بہتے دریا کے اوپر سے جیپ سے

کمان نما پل عبور کر کے چڑھائی چڑھنی شروع کریں گے، اب آپکا رخ شاراں جنگل کی طرف ہے، یہ جنگل 7920 فٹ بلندی پہ واقع ہے، آدھا گھنٹہ چڑھائی کے بعد آپکی جیپ گھنے جنگل میں داخل ہو جاتی ہے، اور آپ دیودار، کائل، چیڑ، صنوبر، اخروٹ کے درختوں کے بیچ سفر جاری رکھتے ہوئے مزید 45 منٹ بعد کیمپنگ ایریا میں پہنچ جاتے ہیں یہاں گورنمنٹ کی طرف سے کیمپنگ پوڈز اور ٹینٹ کا انتظام موجود ہے، اسکے علاوہ آپ اپنی کیمپنگ بھی کر سکتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ آنے سے پہلے پوڈز یا کیمپس کی آن لائن بکنگ کروالی جائے، پارس سے اس جگہ تک آپ سوا گھنٹہ میں پہنچ جاتے ہیں، یہاں آپ قدرتی کی ہر سرگوشی کو محسوس کر سکتے ہیں، شام تک جنگل میں گھومیں، رات کو آگ کا آلاو جلا کر ستاروں کا نظارہ کریں، جنگل میں ایک بڑی آبشار بھی موجود ہے، دو گھنٹے کے ٹریک پہ مانشی ٹاپ بھی موجود ہے، شاراں جاتے آپ وادی کاغان کی بادلوں میں سر پھنسائی دو بڑی چوٹیوں موسیٰ کا مصلیٰ اور مکڑا کی چوٹی کا نظارہ بھی کر سکتے ہیں، یہ دونوں چوٹیاں تیرہ ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پہ واقع ہیں،

، شاراں کی طرف جاتے جیسے ہی آپ چڑھائی چڑھتے ہیں، دریائے کنہار اور مین روڈ کا نظارا بھی قابل دید ہوتا ہے، پھر اگلی صبح ناشتہ کر کے واپسی کی تیاری کریں، پارس پہنچ کر اپنی گاڑی میں بیٹھیں اور گھر کی طرف روانگی کریں،

ہمیشہ اس بات کو پلے سے باندھ لیں کہ صفائی خود بھی کرنی ہے اور لوگوں کو بھی اس کا پیغام دینا ہے، کیونکہ آج کی صاف ستھری سیاحت کل کا روشن پاکستان،

سفر نامہ وادی ناران کاغان پہ منفرد کتاب

(سکون کے متلاشی. سے اقتباس)

”بڑی عید کا ایک واقعہ“

افشین نسیم، کراچی

السلام علیکم!

محترم قارئین! میں اپ کو ایک آنکھوں دیکھی واردات کا حال کہانی میں ڈھال کر سنا رہی ہوں تو آپ پلیز توجہ سے پڑھیں گے۔

وہ 1998 کی ایک بہت خوشگوار اور خوبصورت صبح تھی۔

ماحول میں ہر طرف گوبر کی اور مینگنیوں کی دلفریب مہک رچی ہوئی تھی۔

اس خوبصورت ترین صبح کی خاص بات تھی کہ یہ عید الاضحی کا مبارک دن تھا،، ایک چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے آنگن میں دو بھائی جو ایک ہی گھر میں رہائش پذیر تھے،، انکے قربانی کے جانور جو کہ بچوں کی ضد پر تقریباً ایک ہفتے پہلے خرید کر اپنے گھر کو کسی گاؤں کی بھینس کالونی میں تبدیل کر لیا گیا تھا اور گوبر اور چارے کی مہک سے اس گھر کے افراد سوائے چند ایک کے مانوس ہو گئے تھے،، بلکہ کچھ کا تو خیال تھا کہ یہ مہک نہ رہی تو وہ کیسے جی سکیں گے۔

گھر کی خواتین صبح کے وقت آٹھ کر اپنے اپنے خاوندوں اور بچوں کو تیار کر کے نماز عید کے لئے روانہ کرنے کے بعد سارے جانوروں کو گھر سے باہر نکال کر گلی میں کھڑا کرنے کے بعد گھر کی صفائی کر رہی تھیں۔۔ بچوں میں شامل لڑکیوں کو جانوروں کی دیکھ بھال کے لئے گلی میں ہی بیٹھنے کا بولا تھا (یاد رہے یہ 1998) کی صبح ہے ملک کے حالات اتنے بھی برے نہیں تھے اور ایک گلی ایک محلہ اس دور میں ایک ہی خاندان کی طرح ہوتا تھا۔ ارد گرد کے لوگ رضاکارانہ طور پر دوسروں کی بہن،، بہو اور بیٹیوں کی حفاظت اور عیب جوئی کو اپنا پیدائشی اور قومی حق سمجھتے تھے۔۔ ہاں تو جناب اب تک تمہید باندھنے کی کوشش کی گئی ہے اب دیکھیں جناب۔۔۔۔ "معین الدین صاحب گھر میں داخل ہوئے اور اونچی آواز میں کسی کو عید کی مبارکباد پیش کی"" (کسی کو سے مطلب کیونکہ موقع پر وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا،، مثال کے طور پر استعمال ہوتا ہے،، دور دور تک چڑیا کا بچہ بھی نہیں تھا،، سناٹے کا یہ عالم تھا،،

ویسے اگر چڑیا کا بچہ موجود ہوتا تو؟؟) سمجھ نہیں آیا ہے۔

"ہائیں یہ سب کہاں چلے گئے ہیں""مئین صاحب نے پلٹ کر اپنے ساتھ گھر میں داخل ہونے والے اپنے بڑے بھائی صاحب سے تشویش ناک انداز میں سوال کیا۔

""میں تو خود تمھارے ساتھ آیا ہوں،،راستہ چھوڑو""فہیم صاحب نے جھنجھلا کر اپنے چھوٹے بھائی کو دھکا دیا۔

""ابو سب کہاں گئے ہوں گے "یہ آواز فہیم صاحب کے اکلوتے بیٹے شہزاد کی تھی۔

فہیم صاحب نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تو وہ گڑبڑا کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"مئین جاؤ اپنی بیوی اور بچیوں کو ڈھونڈ کر لاؤ میں اور شہزاد اوپر اسکی ماں اور بیوی کو دیکھتے ہیں" فہیم صاحب نے حسب عادت تحکمانہ لہجے میں کہا

"مئین صاحب نے بحث بیکار خیال کرتے ہوئے اندر کی طرف قدم بڑھائے انہیں سخت حیرت تھی کیونکہ انکی بیٹیاں اور بیگم ایک آواز پر دوڑ کر آجاتی تھی کیونکہ وہ ان سے بہت ڈرتی تھیں۔

پورا گھر چھان مارا گیا،، فہیم صاحب بھی پریشان سے نیچے واپس آگئے تھے۔۔

اصل میں دونوں بھائی اوپر نیچے مقیم تھے۔اوپر فہیم صاحب اپنے ایک لوتے بیٹے اور بیوی بہو اور پوتی کے ساتھ رہتے تھے۔۔نیچے مئین صاحب اپنی دو بیٹیوں اور بیگم کہ ساتھ مقیم تھے۔۔سب ایک جگہ اکھٹے ہو کر دوبارہ ایک دوسرے کو تشویش سے دیکھنے لگے۔۔اسی وقت شہزاد کا موبائل فون بجا۔

"ہیلو،،ارے ماموں امی آپکی طرف آئی ہیں کیا؟،،ماموں کی آواز سنتے ہی شہزاد نے بے تابی سے سوال کیا۔

"ہمم "جی اچھا،،میں آرہا ہوں، آپ روک کر رکھیں اسے،،اپنا چھوٹا سا فون جیب میں رکھتے ہوئے اس کے چہرے پر مایوسی نظر آئی،،دونوں بھائی پھر بھی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے

"ماموں کا فون تھا۔۔کہہ رہے ہیں انکے یہاں قربانی ہو گئی ہے۔۔میں قصائی کو لے جاو□ ں آکر،،"

"ٹھیک ہے جاؤ" فہیم صاحب نے کہا

،"امی اور؟"شہزاد کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فہیم صاحب نے اس کو گھورا تو وہ چپ ہو گیا۔

"جاؤ اور بس قصائی کو ہی لانا کسی کو کچھ نہیں بتانا" انہوں نے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

شہزاد باہر نکل گیا،، اور دونوں بھائی سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔۔ پھر اچانک ایک سمت سے شور مچانے کی آوازیں سنائی دینے لگی۔۔

فہیم اور مئین صاحب تیزی سے گھر کے پچھلے دروازے سے باہر نکلے۔۔ وہاں ان کے گھر کے قربانی کے جانور بندھے ہوئے تھے۔۔ درمیان میں چھوٹا سا پبلک پارک تھا۔۔

اس پارک کی دوسری جانب عورتیں،، مرد،، بچے کھڑے ہوئے تھے اور ان کے گھر کی تمام خواتین بھی پارک میں موجود سلائیڈ جو کہ دو منزلہ عمارت کے برابر اونچی تھی اس پر کھڑی نظر آئیں۔۔

اچانک دو بندوق کی گولیاں چلنے کی آواز آئی اور مجمع بڑی ہی تیزی سے چھٹنے لگا تھا اور اس میں کچھ لوگ قہقہے لگاتے ہوئے جا رہے تھے اور کچھ افسوس کر رہے تھے

وہ دونوں حضرات پارک کے دروازے پر رک گئے تھے۔

سب سے پہلے مئین صاحب کی فیملی اپنی امی کے ساتھ قریب آئی اور حسب معمول انکی بیوی اور بچیوں کی اپنے والد کو دیکھ کر روح فنا ہو گئی جو انتہائی خشمگیں نظروں سے گھور رہے تھے۔

"ج ج جی وہ وہاں،، دیکھیں وہ،" بیگم کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"جاؤ سب گھر، ہم خود دیکھ لیں گے،، شہزاد قصائی کو لے آیا ہو گا" سرد آواز سن کر سب تقریباً بھاگتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئے تھے۔

اب ان دونوں صاحبان نے اس طرف توجہ دی جہاں ابھی بھی کافی لوگ کھڑے ہوئے تھے۔

وہاں دراصل ایک ریٹائرڈ میجر شاہد پرویز صاحب رہتے تھے ان کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک بیٹا بڑے ہی چاؤ سے پاکستان آرمی میں شامل ہوا تھا اور پہلی بار ہی ڈیوٹی بارڈر پر لگی تھی۔۔ بھارتی فوج کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور بے تحاشا تشدد کی وجہ سے دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔۔ ویسے تو نارمل ہی نظر آتا تھا۔۔ لیکن کبھی کبھی بے حد مشتعل ہو جاتا تھا۔۔ اس کو تشدد کے بعد مردہ سمجھ کر بارڈر کے پار پھینک دیا گیا تھا۔۔ لیکن جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے کے مطابق وہ زندہ بچ گیا تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ وہ لوگ قربانی کے جانور کے لیے دو پہاڑی بکرے لائے تھے۔ پہاڑی بکرے نہایت شریر تھے۔

نماز کے بعد قربانی کے لئے ایک بکرا خود میجر صاحب نے قربان کر دیا تھا۔ دوسرے کے چھری پھیرنے کی ضد ،،واجد،، نے ان کے بڑے بیٹے نے کی اور اکیلے ہی گرانے کی کوشش کرنے لگا۔

بکرا ایک بکرے کو زبح ہوتے ہوئے دیکھ چکا تھا اس لیے اس نے اپنے بچاو □ ن کے لیے۔ تمام حربے (ٹکریں،، لاتیں،، بھاگ، دوڑ) وغیرہ اختیار کر لئے تھے اور اس حد تک چلا گیا تھا کہ سارا محلہ اس بد تمیز اور بے غیرت بکرے کے چکر میں باہر نکل آیا تھا۔۔

آخر جیت واجد کی ہوئی تھی۔

لیکن قربانی نہ ہو سکی تھی۔۔ ادھر معلومات فراہم کر کے دونوں حضرات اپنے گھر پہنچے تو کلیجی کا مصالحہ بھننے کی دلفریب مہک پھیلی ہوئی تھی اور ایک بکرا عید کے دن قربان ہو چکا تھا۔

رات کو فہیم صاحب کی بہنوں کی دعوت ہوتی تھی ان کے گھر۔ سارے دن کے تھکے ہوئے سب لوگ دعوت کے بعد چائے لے کر چھت پر بیٹھے تو وہی واقعہ موضوع گفتگو بن گیا تھا۔۔ فہیم صاحب کی بیوی نے بات شروع کی۔

"میں صحن میں سرف ڈال کر ماسی سے دھلوا رہی تھی کہ باہر سے ہنگامے کی آواز آئی اور میں اور ایک ایک کر کے سب باہر نکل گئے دیکھا تو میجر صاحب کا بیٹا اور اس کے ساتھ سارا محلہ بکرے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔۔ میں بچوں کو لے کر سلائیڈ پر چڑھ گئی پھر نور بانو (مئین صاحب کی بیوی) بھی آ گئی تھی۔۔ بکرا کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا تھا کتنوں کو اپنے ساتھ سڑک پر گھسیٹ کر لے گیا اور کتنوں کو کیچڑ چھکھائی آخر جب وہ پکڑا گیا اور باندھ دیا گیا تو۔۔۔" بے ساختہ قہقہے نے بات مکمل نہیں ہونے دی باقی سب بھی ہنس پڑے تھے اور مہمان منہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔۔

"نور بانو نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"جب پکڑ لیا اتنی محنت اور جتن سے تو واجد نے اندر سے رائفل لا کر اس کو گولی مار دی" اس پر پھر ایک بے ساختہ قہقہہ پڑا جس میں مہمان بھی شامل تھے اور عید قربان کا دن زعفران زار ہو گیا۔

☆☆☆☆

"قربانی"

ظاہر خان نوشکی، بلوچستان

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے قربانی جان، مال، جذبات کی ہو یا جانور کی بلاشبہ انسان کی دنیاوی و آخری تسکین کا باعث بنتی ہے۔

اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے ایام نحر (دس، گیارہ، بارہ ذی الحج) میں مخصوص اوصاف کے حلال جانور ذبح کرنے کو "اضحیہ "یعنی "قربانی" کہتے ہیں۔

قربانی محبت خداوندی، عشق الٰہی اور جذبہ انقیاد، اطاعت و بندگی کا مظہر ہے۔

انسانی تاریخ میں قربانی کی ایسی اعلیٰ ترین مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی، حضرت ابراھیم علیہ السلام حکم الٰہی کی تکمیل کی خاطر دنیا میں عزیز ترن بیٹے کو ذبح کرنے ہی لگے تھے کہ خدا نے ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے خوش ہو کر قربانی کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ دنبہ بھیج دیا اور حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اپنا دوست (خلیل اللہ) قرار دیا۔

اس قربانی کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اس رکنِ حج بنادیا گیا۔ حکم خداوندی کی اطاعت کی علامت کے طور پر پیار اور خیال کے ساتھ جانوروں کو لایا جاتا ہے اور انہیں راہِ خدا میں قربان کیا جاتا ہے۔

عید الاضحیٰ پوری امت مسلمہ شوق اور جذبے کے ساتھ ہر سال مناتی ہیں، جب ہر مسلمان کے پاس اپنی استعداد کے مطابق بڑے شوق اور جذبے سے قربانی کے لیے جانور خریدتا ہے۔ سنت ابراہیمی علیہ السلام کی اطاعت میں اخلاص کے ساتھ کی گئی قربانی سے نہ صرف جذبہ ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ معیشت اور معاشرے پر بھی اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر 10 کروڑ سے زائد جانور قربان کئے جاتے ہیں جن میں تقریباً 55 لاکھ جانور (مینڈھے، بکرے، بیل، گائے اور اونٹ وغیرہ) پاکستان میں ذبح کئے جاتے ہیں۔ ان جانوروں کی خریداری پر شہری لگ بھگ ڈیڑھ کھرب روپے خرچ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً 50 ارب روپے قربانی سے جڑے لازمی ذیلی اخراجات، محصولات، خریداری، اور

دیگر متفرقات کی مد میں جمع کر لئے جائیں تو یوں صرف عید الاضحیٰ کے تین روز میں پاکستان معیشت میں اندازاً 2 کھرب روپے گردش کرتے ہیں۔ جس سے لاکھوں افراد کو روزگار ملتا ہے اور سال میں ایک بار کروڑوں افراد کو صحت بخش بھی نصیب ہوتا ہے۔

عید کے مواقع پر اپنے آس پاس کے ہمسایہ غریب گھرانوں کی ہر حال میں مدد اور تعاون ضرور کریں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلم امہ کی راہ خدا میں کی جانے والی قربانی قبول فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆

خوبصورت قول

کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کی امید اس شخص کو رکھنی چاہیے، جو کسی چیز کو کھونے کی بھی سکت رکھتا ہو۔

امن ارشد، سیالکوٹ

”لوگ کیا کہیں گے ؟“

عاطف کھرل

میں رویا تو لوگوں نے کہا کبھی ہنس بھی لیا کرو اور جب ہنسا تو لوگوں نے کہا کہ سنجیدگی بھی کسی چیز کا نام ہے، میں نے خاموشی اختیار کی تو لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے زباں کس لئے دی ہے، کبھی بول بھی لیا کرو اور جب سکوت توڑا تو کہنے لگے کتنا منہ پھٹ ہے، میں نے کام کاج چھوڑا تو لوگوں نے کہا کہ کتنا نکما ہے اور جب کام کرنا شروع کیا تو کہنے لگے کس قدر پیسے کا پجاری ہے، میں نے تنہائی کو اپنا دوست بنایا تو لوگوں نے کہا کہ کتنا متکبر شخص ہے اور جب سب سے میل جول رکھا تو کہنے لگے کہ کتنا آوارہ ہے، میں نے لہجوں کی تلخیوں پر صبر اور برداشت کا مظاہرہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ کتنا ڈرپوک ہے اور جب زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو بدلحاظ کے لقب سے نوازا گیا، میں ہمدرد بنا تو لوگوں نے کہا کہ اچھائی کا ڈھونگ رچا رہا ہے اور جب ذرا سا رویہ بدلا تو مطلبی کہا جانے لگا، میں نے نیکی کے کاموں میں حصہ لیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ سب تو دکھاوا ہے اور جب سب کچھ ترک کر کے زمانے کی رنگینیوں میں بدمست ہوا تو وہی لوگ مجھے فرعونوں سے تشبیہ دینے لگے۔

آج کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ہماری ساری زندگی یہی سوچنے سوچتے گزر جاتی ہے کہ ”لوگ کیا کہیں گے ؟“ لوگوں کے منہ میں جو آتا ہے وہ بولتے ہی چلے جاتے ہیں اور ہم محض لوگوں کی خاطر اپنی خواہشات، اپنے احساسات، اپنے جذبات اور اپنے خوابوں کا گلا گھونٹ کر ان کی مرضی کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں مگر لوگ پھر بھی خوش نہیں ہوتے۔ ایک انسان کی اوسطاً عمر ساٹھ سے ستر سال ہے تو کتنی مضحکہ خیز بات ہے نا کہ یہ مختصر سی زندگی بھی یہی سوچتے ہوئے گزر جائے کہ لوگ کیا کہیں گے ؟ اگر تو ہم نے سینکڑوں سال جینا ہوتا یا ہمارے پاس کئی زندگیاں ہوتیں تو پھر شاید ہم یہ کہنے کے قابل تھے کہ اس دفعہ لوگوں کی مان لیتے ہیں اگلی بار اپنی خواہشات کو، اپنے خوابوں، اپنی حسرتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا لیں گے جبکہ ایسا کچھ بھی ممکن نہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہم لوگوں کی باتوں کو اہمیت کیوں دے رہے ہیں ؟ ان کی مرضی کے مطابق زندگی کیوں بسر کریں جبکہ روزِ محشر جوابدہ تو اللہ قادر مطلق کے سامنے ہونا ہے تو کیا لوگوں کے خوف سے اپنی منزل سے راہِ فرار اختیار کر لینا نادانی

نہیں؟ بطور مسلمان، لوگوں کو پس پشت ڈال کر ہمیں صرف اور صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ ہمارا رب کیا کہے گا جس نے ہمیں ایک بامقصد زندگی عطا کی، ہمیں بے شمار نعمتوں دیں، ہمیں عقل و شعور سے نوازا تاکہ ہم صحیح غلط، کھرے کھوٹے، دوست دشمن، اپنے پرائے، مخلص مطلبی، سچ جھوٹ، نیکی بدی کی پہچان کر سکیں تو پھر ہم لوگوں کی باتوں کو لے کر اپنی زندگیوں کو یوں بے مقصد کیوں بنا رہے ہیں؟ ہمارا کردار ہمارے رب کے سامنے بہترین ہونا چاہیئے، جس پر اسکی دستِ قدرت کا سایہ ہو تو اسے اس کائنات میں کوئی بھی ہرا نہیں سکتا۔ جب رحمٰن خود "وتعز و من تشاء وتذل من تشاء" کہہ رہا ہے تو پھر یہ ڈر کس لئے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ اگر ہمارے ارادے پختہ ہیں، ہماری سمت درست ہے، ہماری نیت صاف ہے، ہمارا دل بغض، حسد، کینہ سے پاک ہے، ہم جاگتی آنکھوں میں خواب سجائے بیٹھے ہیں، اللہ عزوجل کی رضا و خوشنودی ہماری اولین ترجیح ہے تو لوگوں کی باتوں پہ کان دھرے بغیر اپنی منزل پہ گامزن رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مخلوق کو راضی کرتے کرتے آپ خالق کو ناراض کر بیٹھیں، یاد رکھیں آپ ہزار سال بھی تگ و دو کرتے رہیں تو لوگوں کو راضی نہیں کر پائیں گے وہ ہمارا رب ہی ہے جو ندامت کے ایک آنسو سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں تقریباً سوا سات ارب لوگ آباد ہیں آئے روز سینکڑوں لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑتا رہتا ہے ان تمام لوگوں کے خیالات، مقاصد، احساسات، جذبات قدرے مختلف ہیں، ہر ایک کی سوچ کا زاویہ مختلف ہوتا ہے اس لئے لوگوں کی باتوں کی پرواہ ہرگز نہ کیجئے اگر آپ کے رستے میں کوئی پتھر آگیا ہے تو لوگوں کی باتوں کی ذد میں آتے ہوئے اپنا راستہ تبدیل کرنے کی بجائے اس پتھر کو ہی راستے سے ہٹا دیں جو آپ کے اور آپ کی منزل کے درمیان حائل ہے اس سے نہ صرف آپ اپنی منزل پہ پہنچ سکیں گے بلکہ آپ کے ہم پلہ کئی اور لوگ بھی سرخرو ہونگے۔ لوگ کیا کہیں گے، لوگ کیا سوچیں گے؟ یہ ہمارا دردِ سر نہیں ہے، اگر یہ بھی ہم نے سوچنا ہے تو پھر لوگوں کے سوچنے کے لیے تو کچھ باقی ہی نہیں رہے گا، وہ تو ایکدم سے بیکار ہو جائیں گے۔ لوگوں کو ان کے حال پہ چھوڑ دیں کیونکہ ان لوگوں کو تو دمکتے ہوئے چاند کی چاندنی میں بھی صرف اسکا داغ ہی نظر آتا ہے۔ یاد رکھیں ہم لوگوں کی زبانیں تو نہیں پکڑ سکتے مگر اپنے کانوں کی حفاظت ضرور کر سکتے ہیں اس لئے لوگ جو کہتے ہیں کہنے دیں، جو سوچتے ہیں سوچنے دیں، جو کرتے ہیں کرنے دیں سب کی باتیں سنیں مگر کریں وہی جو آپ کا دل کہتا ہے اور سب

سے بڑھ کر جس میں رب کی رضا شامل ہو۔ زندگی کے کٹھن سفر کو پر سکون اور آسان آپ نے خود بنانا ہے، ہر مسئلے کا حل خود تلاش کرنا ہے، ایک ہی زندگی ہے تو پھر اسے جینے کا طریقہ بھی آپ کا ہی ہونا چاہئیے۔

☆☆☆☆

"گرم سموسہ"

محمد رمضان شاکر پاکپتن

چھوڑا ہے یہ کس نے شوشا
آؤ کھانے چلیں گرم سموسہ
میں تو کھاؤں گا لاڈا کنگ سے
اور کسی پہ نہیں بھروسہ
گرما گرم یہ ہو تیار
دیکھ کے نیت جائے ہار
جب تلک نہ منہ میں ٹھونسو
دل کو ذرا نہ آئے قرار
سادہ یہاں بکتا نہیں ہے
قیمے والا ٹکتا نہیں ہے
صبح شروع کرتے ہیں بنانا
شام کو یہاں دکھتا نہیں ہے
ہوتا ہے یہاں رش دیکھنے والا
بس گھوم جاتا ہے بیچنے والا

خوب ہوتی ہے دھینگا مشتی
لے جائے پہلے چیخنے والا
اک بار جو سموسہ کھاتا ہے
پھر بار بار یہاں وہ آتا ہے

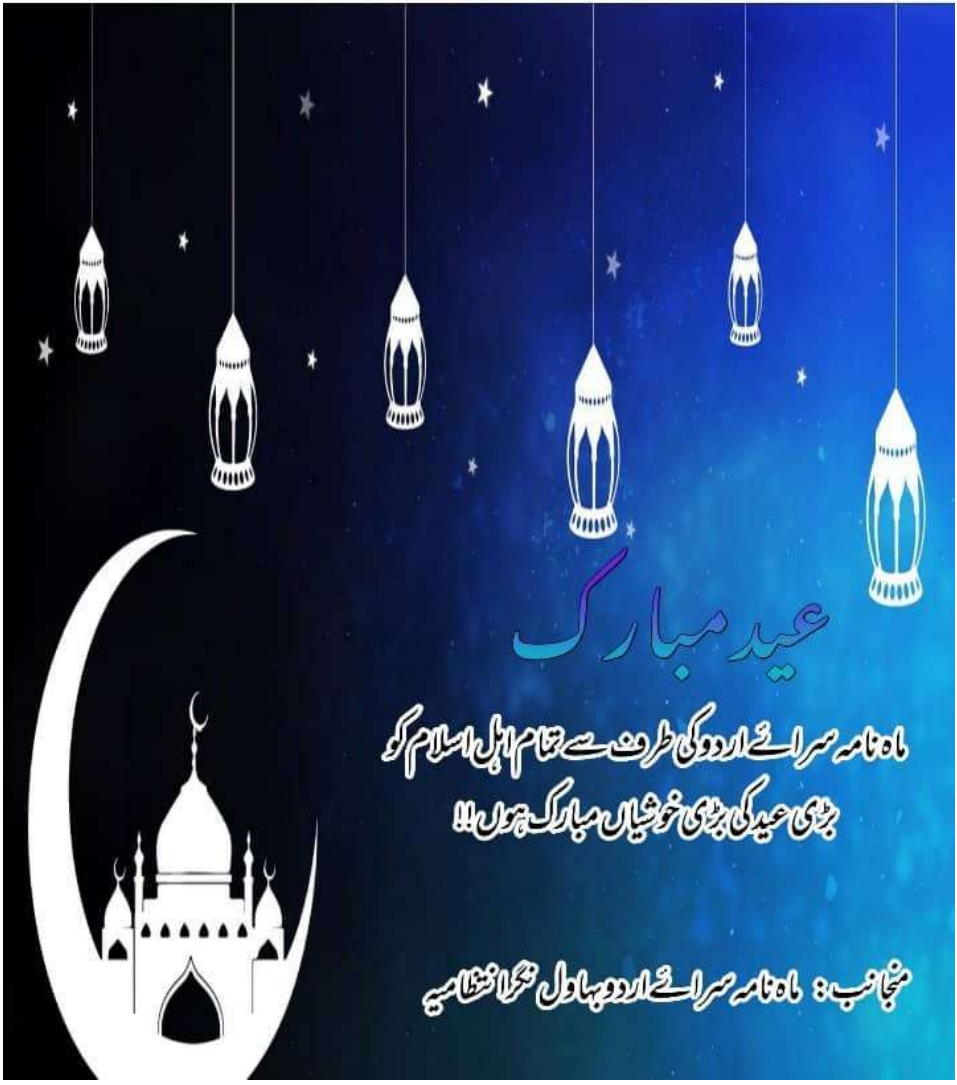
عید مبارک
ماہ نامہ سرائے اردو کی طرف سے تمام اہل اسلام کو
بڑی عید کی بڑی خوشیاں مبارک ہوں!!
منجانب: ماہ نامہ سرائے اردو بہاول نگر انتظامیہ